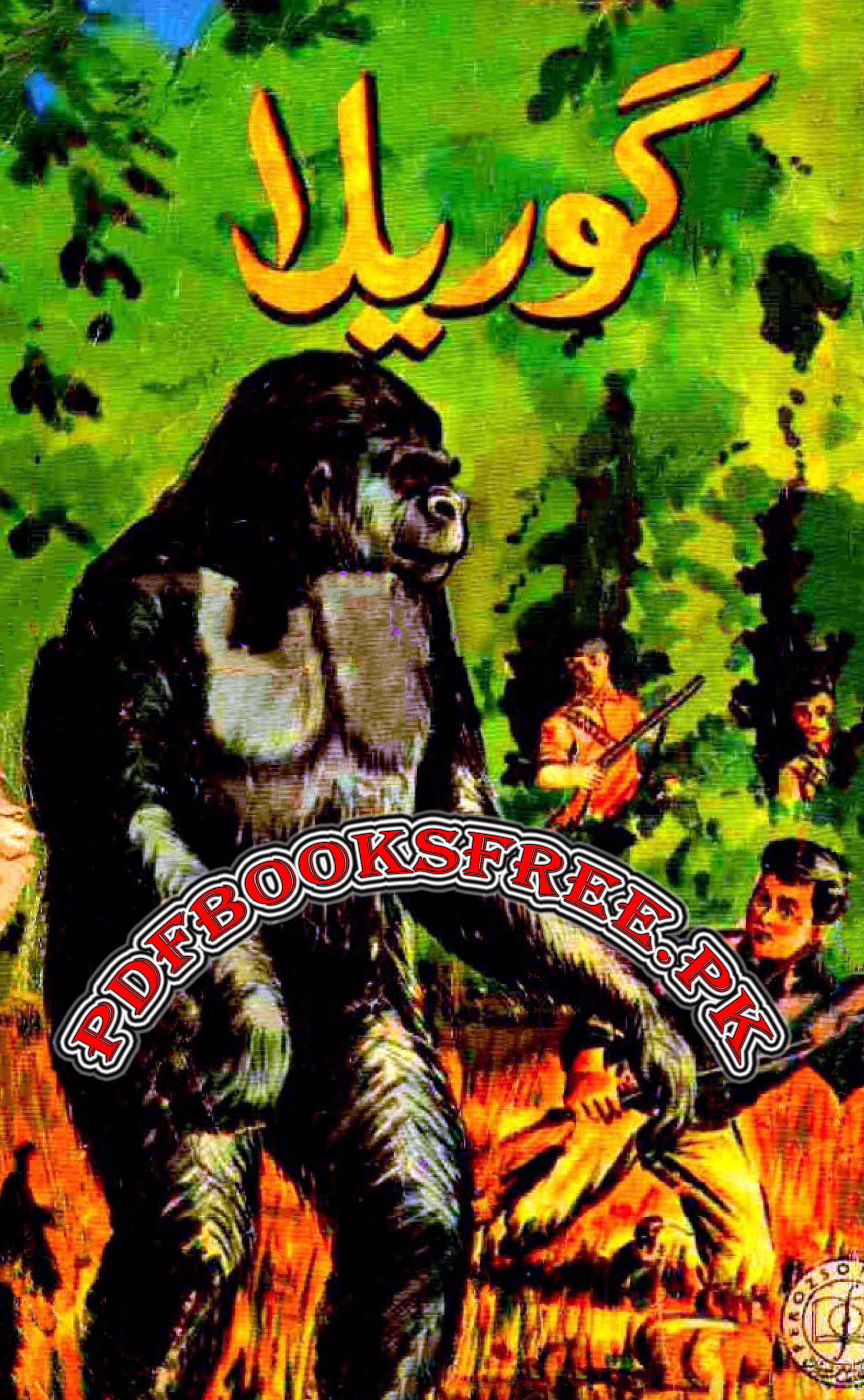
گوریلا
PDFBOOKSFREE.PK

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

معزز قارئین توجہ فرمائیں!

پاکستان ورچوئل لائبریری پر موجود تمام کتابیں قارئین کے مطالعے اور دعوتی و اصلاحی مقاصد کے لئے اپلوڈ کی جاتی ہیں۔

تنبیہ

کسی بھی کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی سخت ممانعت ہے، اور ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی و شرعی جرم ہے۔

PVL
PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

گوریلا

بچّوں کے لیے ناول

ذوالفقار احمد تابش

فیروز سنز لمیٹڈ
لاہور۔ راولپنڈی۔منگلا۔پشاور۔حیدرآباد۔کراچی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آر، ایم بلینٹین کے ناول "دی گوریلا ہنٹرز" سے ماخوذ

تیسری بار	1968ء
تعداد	دو ہزار
مطبوعہ	فیروز سنز لمیٹڈ لاہور
طابع	عبدالحمید خان
قیمت	

تین دیوانے

اس روز دفتر کی چھٹی تھی۔ میں کمرے میں بیٹھا کتاب پڑھ رہا تھا کہ اچانک دروازے پر اس زور کی دستک ہوئی کہ میں اچھل پڑا۔ "اس بدتمیزی سے کون دروازہ کھٹ کھٹا سکتا ہے؟" میں نے سوچا اور دروازہ کھولنے کے لیے اٹھا۔ اس وقت مجھے بڑا تاؤ آ رہا تھا لیکن جب دروازہ کھول کر دیکھا تو سارا غصہ غائب ہوگیا۔ میرے سامنے خالد کھڑا تھا۔ خالد، جو میرا بچپن کا ساتھی اور دوست تھا۔ آج میں چھ سات سال بعد اسے دیکھ رہا تھا۔ خالد نے مجھے اور میں نے خالد کو دیکھا اور پھر ہم دونوں دوڑ کر ایک دوسرے سے لپٹ گئے۔

"ارے خالد! تم کہاں؟" میں نے کہا۔ "اتنا عرصہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کہاں غائب رہے ہو؟ اور مجھے تم نے کس طرح ڈھونڈ نکالا؟"

"اتنے سارے سوال تم نے ایک ساتھ کر دیے ہیں۔ اب ان کے جواب تو میں تسلی سے ہی دے سکوں گا۔" خالد نے ہنستے ہوئے کہا۔

"اچھا آؤ اندر چل کر بیٹھتے ہیں۔" میں نے کہا۔

ہم دونوں اندر آ گئے۔ میں نے ملازم کو چائے بنانے کے لیے کہا اور پھر ہم دونوں کرسیوں پر آمنے سامنے بیٹھ گئے۔

"ہوں۔ کہاں کہاں کی خاک چھانتے رہے ہو؟" میں نے پوچھا۔

"یہ پوچھو کہ کہاں کہاں کی خاک نہیں چھانی؟" خالد نے مسکرا کر جواب دیا۔ "میں نے تو دنیا کا کونا کونا چھان مارا ہے۔"

"اچھا! وہ کس طرح؟" میں نے حیران ہو کر پوچھا۔

"ہمیں ایک دوسرے سے جدا ہوئے سات آٹھ سال تو ضرور ہو گئے ہوں گے۔" خالد نے کہا۔ "تو بس یوں سمجھ لو کہ ان سات آٹھ سالوں میں میں نے دنیا کا شاید ہی کوئی ملک ہو گا جہاں کا پانی نہ پیا ہو۔

گھومتا پھرتا ہی رہا ہوں کبھی یہاں کبھی وہاں۔"

آگے چلنے سے پہلے میں آپ کو یہ بتا دوں کہ میں کون ہوں اور میرا دوست خالد کون ہے۔ میرا نام اصغر ہے۔ میں، خالد اور ہمارا ایک اور دوست ناصر اب سے کوئی دس سال پہلے لاہور سے روپیہ کمانے کی دھن میں جنوبی افریقہ گئے تھے۔ ہم نے سنا تھا کہ وہاں کام بہت ہے اور اگر آدمی محنتی اور ہوشیار ہو تو کافی روپیہ کما سکتا ہے۔

ہم تینوں نے ایک ساتھ ہی پاسپورٹ بنوائے، ویزے لیے، جہازوں کے ٹکٹ خریدے اور ایک روز ہم افریقہ کے ساحل پر کھڑے تھے۔ یہاں آ کر کچھ عرصہ تو ہم تینوں ایک ساتھ رہے اور کبھی یہاں کبھی وہاں ملازمتیں کرتے رہے۔ مگر جلد ہی روزگار کی وجہ سے ہمیں ایک دوسرے سے جدا ہونا پڑا۔ خالد جنگلات کے محکمے میں ملازم ہو کر کہیں چلا گیا۔ ناصر کا تبادلہ ایک دوسرے شہر میں ہو گیا اور خود میں کانوں سے ہیرے نکالنے والی ایک کمپنی کے دفتر میں ملازم ہو گیا جو کیپ ٹاؤن میں تھا۔ کچھ عرصے تک تو ہمیں ایک دوسرے کے خط ملتے رہے مگر پھر یہ سلسلہ بھی ٹوٹ گیا اور اب کوئی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آٹھ سال کے بعد خالد پھر میرے سامنے بیٹھا اپنی رام کہانی سنا رہا تھا۔

"ہاں تو ہُوا یہ کہ جنگلات کے محکمے میں ملازم ہونے کے بعد جلد ہی میرا دل اُکتا گیا اور مَیں نے وہاں سے بھی استعفا دے دیا۔ اس کے بعد مَیں ایک بنک میں ملازم ہو گیا۔ وہاں سے دل اچاٹ ہُوا تو اتفاق سے مجھے ایک ایسی کمپنی میں ملازمت مل گئی جو دوائیں بنانے کا کام کرتی تھی۔ یہ کمپنی افریقہ کے جنگلوں سے جڑی بوٹیاں اکٹھی کر کے انگلینڈ بھیجتی تھی جہاں ان سے دوائیں بنائی جاتی تھیں۔ اس کمپنی کی ملازمت مجھے بڑی راس آئی۔ پہلے تو مجھے جنگلوں میں جڑی بوٹیاں اکٹھی کرنے کے کام پر لگایا گیا۔ پھر جانے انھیں کیا خیال آیا کہ مجھے دُوسرے ملکوں میں بھیجنا شروع کر دیا تاکہ میں وہاں ان کی دواؤں کی فروخت کا کام کر سکوں۔ اتنا عرصہ میں یہی کام کرتا رہا ہوں اور اب..."

"اب کیا؟" مَیں نے پوچھا۔

"اب میں اس کام سے بھی اُکتا گیا ہوں۔" خالد نے جواب دیا۔ "اور مَیں نے یہ ملازمت بھی چھوڑ دی ہے۔"

"ملازمت چھوڑ دی ہے؟ وہ کیوں؟"

"بھئی اب تو اللہ میاں کا دیا سب کچھ ہے۔ اس عرصے میں مَیں نے کافی دولت کما لی ہے۔ تنخواہ کے علاوہ مجھے کمپنی اچھا خاصا کمیشن بھی دیتی تھی کھانے پینے اور سفر کا خرچ بھی کمپنی کے ذمّے تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ میری دولت تقریباً جمع ہی ہوتی رہی ہے اور اب تو اللہ کے فضل و کرم سے اچھا خاصا دولت مند بن گیا ہوں۔" اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

"پھر اب کیا ارادہ ہے؟" مَیں نے مسکرا کر پوچھا

"ارادہ تو بڑا خطرناک ہے اور اسی لیے مَیں تمھارے پاس آیا ہوں۔" اس نے کہا۔

"ارے کچھ کہو گے بھی یا پہیلیاں ہی بجھواؤ گے؟"

"بھئی بات یہ ہے کہ اب تو کچھ خطرے مول لینے کو جی چاہتا ہے۔ مَیں نے سوچا ہے کہ کچھ عرصے کے لیے افریقہ کے جنگلوں کی سیر کی جائے سنا ہے اس میں گوریلے بھی ہوتے ہیں۔ سچ پوچھو تو میں گوریلوں کی کہانیاں سن سن کر اتنا بے تاب ہو رہا ہوں کہ جی چاہتا ہے ابھی رائفل اٹھا کر شکار

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے لیے چل پڑوں۔ اب تم کہو میرا ساتھ دو گے
"بھئی قسم سے تم نے تو میرے دل کی بوجھ ہے۔" میں نے اُچھل کر کہا۔

"ملازمت سے میں بھی تنگ آگیا ہوں اور اب کچھ عرصے کے لیے کہیں بھاگ جانا چاہتا ہوں۔ شکار تو سمجھو ہم لوگوں کی گھٹی میں پڑ چکا ہے یہاں اکثر ہم لوگ چھوٹے موٹے شکار کے لیے جاتے رہتے ہیں۔ اگر اس قسم کا ایک لمبا چوڑا پروگرام ہو گیا تو سچ مچ مزا آجائے گا۔"

"ٹھیک ہے تو گویا تم رضامند ہو۔" خالد نے اطمینان سے چائے پیتے ہوئے کہا۔ "اب دیکھیں ناصر کیا کہتا ہے۔"

"ناصر؟ ارے ہاں۔ ناصر کہاں ہے؟" میں نے بے تابی سے پوچھا۔

"تمہیں نہیں معلوم؟" خالد نے حیرت سے پوچھا۔ "وہ تو اب اپنا کاروبار کرتا ہے۔ اپنے وطن کا مال منگواتا ہے اور یہاں بڑے اچھے منافع پر بیچتا ہے۔ بڑا لمبا چوڑا کاروبار چلا لیا ہے اس نے۔ لاکھوں میں کھیلتا ہے اور ہاں وہ آج ہی

کیپ ٹاؤن پہنچ رہا ہے۔ میں نے تمہارے پاس آنے سے پہلے اسے یہاں پہنچنے کے لیے خط لکھ دیا تھا۔ میرے خیال میں آج یا کل وہ ضرور پہنچ جائے گا۔

"بہت خوب۔ اگر ناصر بھی رضامند ہو گیا تو بس مزا آجائے گا۔"

"مانے گا۔ مانے گا کیوں نہیں" خالد نے کہا۔ "تمہیں تو پتا ہے سیر سپاٹوں کا وہ ہم دونوں سے زیادہ شوقین ہے۔ وہ تو اس تجویز پر اُچھل پڑے گا۔"

اگلے روز ناصر بھی آگیا۔ ہم تینوں دوست بہت عرصے کے بعد مل رہے تھے۔ خوب گلے شکوے بھی ہوئے اور پیار کی باتیں بھی۔ ناصر نے گوریلوں کے شکار کے پروگرام کے متعلق سنا تو فوراً تیار ہو گیا۔ بندوقیں ہم تینوں کے پاس تھیں۔ ہم نے جلدی جلدی کارتوس، گولیاں، کھانے پینے کا سامان، ضروری دوائیں، سفر کا سامان اور ضرورت کی دوسری چیزیں خریدیں اور چند روز بعد ہم ایک ایسے خطرناک سفر پر روانہ ہو گئے جس کے بارے میں ہمیں اتنا بھی پتا نہ تھا کہ زندہ لوٹ کر بھی آئیں گے یا نہیں۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہاتھی کا شکار

چند روز بعد ہم ایک خوفناک جنگل میں ڈیرا ڈالے پڑے تھے۔ جس میں رہ رہ کر جنگلی جانوروں کی آوازیں گونجتی سنائی دیتی تھیں۔ یہاں تک پہنچنے میں ہو سکتا ہے ہمیں مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑتا مگر اتفاق سے خالد کا ایک پرانا دوست ہمیں راستے میں مل گیا وہ بھی ایک دوائیں بنانے والی کمپنی میں ملازم تھا اور جڑی بوٹی اکٹھی کروانے کے لیے حبشی قبیلوں میں جا رہا تھا۔ اس نے ہماری بڑی مدد کی اور ایک جنگلی قبیلے کے سردار 'جمبائی' سے ہمارا تعارف کروا دیا جو اچھی خاصی انگریزی جانتا تھا۔ سردار جمبائی خالد کے دوست کو جڑی بوٹیاں مہیا کرتا تھا اور اس کا گہرا دوست تھا۔ اس نے ہمیں اپنی بستی میں ٹھہرا لیا اور ہماری پوری پوری مدد کرنے کا وعدہ کیا۔ حبشیوں کے جھونپڑے شاید دنیا کے سب سے سادہ مکان ہیں۔ چند بانس اور گھاس پھونس اور بس۔ انہی دو چیزوں سے پوری بستی کے مکان بنے ہوئے تھے۔ سردار جمبائی نے ہمارے رہنے کے لیے اپنے جھونپڑے کے قریب ہی ایک بڑا سا جھونپڑا خالی کروا دیا تھا۔ اسی میں ہم نے رات گزار دی مگر مچھروں نے ایک پل کو بھی نہیں سونے دیا۔

دوسرے دن صبح کو ہم اپنے جھونپڑے سے باہر نکلے تو بستی میں بڑی چہل پہل نظر آئی۔ لوگ برچھے بھالے اور تیر کمان لیے ادھر ادھر بھاگے پھر رہے تھے۔ بعض کے پاس پرانے طرز کی بندوقیں بھی تھیں۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ ہاتھی کے شکار کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔

ہم سردار جمبائی کے جھونپڑے میں گئے تو وہ ہمارا انتظار کر رہا تھا۔ ہمیں دیکھ کر جلدی سے اٹھا اور باری باری گلے لگا کر ہماری ناک سے اپنی ناک رگڑی۔ حبشی جب کسی سے محبت کا اظہار کرتے ہیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تو اس کی ناک سے اپنی ناک رگڑتے ہیں۔

جب ہم آرام سے فرش پر بیٹھ گئے تو سردار نے ناشتا لانے کا حکم دیا۔ ناشتے میں بُھنا ہُوا گوشت، روٹیاں، کباب اور خشک پھل غرض کہ سب ہی کچھ تھا۔ ہم بھُوکے تو تھے ہی، اتنا اچھا ناشتہ دیکھ کر پل پڑے اور خوب پیٹ بھر کر کھایا۔

ناشتے سے فارغ ہوئے تو خالد نے سردار سے کہا۔ ہم یہاں اجنبی ہیں۔ آپ ہمارے لیے ایک ایسے رہنما یعنی گائیڈ کا انتظام کر دیجیے جو ان جنگلوں سے واقف ہو اور تھوڑی بہت انگریزی بھی بول لیتا ہو

"آج تو آپ میرے ساتھ ہاتھی کے شکار پر چلیے۔" سردار بولا "کل میں گائیڈ کا انتظام کر دوں گا۔ اس کے لیے میری نظر میں ایک نوجوان ہے مگر وہ باہر گیا ہُوا ہے آج یا کل ضرور آجائے گا۔ اس کا نام میکرارُو ہے اور شاید آپ کو حیرت ہو کہ وہ اُردو جانتا ہے۔" یہ کہہ کر سردار جمبائی کھڑا ہو گیا اور اپنے قبیلے کے لوگوں کو ہاتھی کے

شکار کے لیے چلنے کا حکم دیا۔ ہم لپک کر اپنے جھونپڑے میں گئے، شکاری لباس پہنے اور رائفلیں لے کر ان سے آملے۔

جب ہم دریا کے کنارے پہنچے تو ایک طرف سے میک، میک کے نعرے بلند ہوئے اور تھوڑی دیر میں ایک چوڑا چکلا نوجوان سردار کے پاس آیا۔ اور اس نے بڑے ادب سے چیتے کی ایک کھال اس کے قدموں میں ڈال دی۔ یہ گویا اس کی طرف سے سردار کی خدمت میں نذرانہ تھا۔ چیتے کی کھال دیکھ کر سب حبشی خوشی سے ناچنے اور گانے لگے اور میک، میک کے نعرے لگانے لگے۔ چیتے کے شکاری کی وہ لوگ بڑی عزت کرتے ہیں اور اس کو سب سے بہادر اور دلیر انسان سمجھتے ہیں۔

"میکرارُو نے اردو کیسے سیکھی؟" میں نے سردار سے پوچھا۔

"بس اتفاق سے سیکھ گیا۔ ہُوا یہ کہ ایک بار اسے ایک ہندوستانی شکاری کے ساتھ جانے کا اتفاق ہُوا۔ اس شکاری اور اس کی طبیعت

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کچھ ایسی ملی کہ یہ اس کا ملازم ہو گیا۔ وہ شکاری یہیں افریقہ میں تجارت کرتا تھا یا شاید ٹھیکیدار تھا۔ میکرارُو کئی سال تک اس کے ساتھ رہا اور اسی ملازمت کے دوران میں اس نے اُردو بول چال سیکھ لی"۔

ہم یہ باتیں کر رہے تھے کہ میکرارُو ہماری طرف بڑھا۔ اس نے ہم سے ہاتھ ملایا اور عجیب و غریب اُردو میں ہماری خیر خیریت پوچھی اس کا لہجہ اتنا عجیب تھا کہ خالد کے تو ہنستے ہنستے پیٹ میں بل پڑ گئے۔

"بھئی بہت اچھے۔ اس قسم کی اُردو آج زندگی میں پہلی بار سنی ہے۔ گلابی اردو کے بارے میں تو بہت کچھ سن رکھا تھا، آج یہ کالی اُردو سُن کر تو سچ مچ مزا آ گیا"۔

سردار نے میکرارُو سے اپنی زبان میں کچھ باتیں کیں اور پھر ہمیں بتایا کہ اس نے ہمارا گائیڈ بننا منظور کر لیا ہے اور وہ گوریلوں کے شکار کے لیے ہمارے ساتھ جائے گا۔

دریا کے کنارے بہت سی کشتیاں کھڑی

تھیں جن میں سوار ہو کر ہمیں دریا پار کرنا تھا۔ چند میل کا فاصلہ ہم نے کشتیوں میں طے کیا اور آخر ایک جگہ رُک کر کشتیاں کنارے سے باندھ دیں اور کنارے پر آ گئے۔

کنارے پر ہاتھیوں کے پَیروں کے تازہ نشان دیکھ کر حبشیوں کی خوشی کی انتہا نہ نہ رہی۔ ہاتھی یہاں پانی پینے کے لیے آئے تھے اور انہیں واپس گئے زیادہ دیر نہ گزری تھی۔

سردار جمبائی نے سب کو آگے بڑھنے کو کہا۔ میکرارو نے خالد اور ناصر کی رائفلیں اٹھا رکھی تھیں۔ میری رائفل میرے پاس تھی۔

تینوں دوستوں نے آپس میں صلاح کر لی تھی کہ اس خطرناک مہم میں خواہ مخواہ کوئی خطرہ مول لینے کی بجائے جہاں تک ہو سکے اپنی حفاظت کریں گے اور یہ دیکھیں گے کہ حبشیوں کے شکار کا کیا طریقہ ہے۔ آخر کار ہم اس جگہ پہنچ گئے جہاں ہاتھیوں کو گھیر کر لانا تھا۔

یہاں کوئی میل بھر کے علاقے میں کانٹے دار بیلوں اور جھاڑیوں کا ایک جال سا پھیلا ہُوا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

حبشی کوئی ایک میل لمبے نصف دائرے کی شکل میں پھیل گئے۔ انہوں نے اپنے ہتھیار سنبھال رکھے تھے۔ بندوقیں، نیزے، تیر کمان اور برچھے۔ اب ہانکا شروع ہُوا۔ سب حبشی زور زور سے شور و غل مچانے اور ڈھول بجانے لگے تاکہ جانور خوفزدہ ہو کر کانٹے دار جھاڑیوں کی طرف بڑھیں اور جب وہ جھاڑیاں ان کا راستہ روک لیں تو ہتھیاروں کی بوچھاڑ کرکے انہیں مار لیا جائے۔

یہ بڑا عجیب منظر تھا۔ حبشی نصف دائرے کی شکل میں شور مچاتے، ڈھول بجاتے آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہے تھے اور ان کا دائرہ ہولے ہولے سمٹ رہا تھا۔ مگر کافی وقت گزر جانے کے باوجود کوئی شکار نظر نہ آیا۔ مَیں مایوس سا ہونے لگا اور سوچنے لگا شاید آج کی شکاری مہم ناکام ہی رہے۔

یکایک ایک طرف درختوں میں سے ہاتھی کی چنگھاڑ کی آواز آئی۔ ہم تیزی سے اس طرف بڑھے مگر تھوڑی دُور ہی گئے ہوں گے کہ اچانک ایک خوفناک گرج سنائی دی اور ہم جہاں تھے وہیں بُت

بن کر کھڑے ہو گئے۔ کچھ فاصلے پر ایک نوجوان شیر جھاڑیوں کے درمیان کھڑا تھا اور شاید حبشیوں کے شور و غل کی وجہ سے غضب ناک ہو گیا تھا۔ اچانک وہ ایک دل دہلا دینے والی گرج کے ساتھ اُچھلا اور چند گز کے فاصلے پر کھڑے ہوئے ایک حبشی کے اس زور سے تھپڑ رسید کیا کہ اس کے سر کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔ یہ دیکھ کر جیسے مجھے ہوش آ گیا۔ مَیں نے جھٹ اپنی رائفل اُٹھائی اور اس کی دونوں نالیاں اس پر خالی کر دیں مگر شیر دھاڑتا ہُوا اُچھلا اور راستے میں کھڑے ہوئے حبشیوں کے درمیان میں سے ہو کر نکل گیا۔ میری دونوں گولیوں میں سے ایک بھی نشانے پر نہ لگی تھی۔

شیر کے بچ کر نکل جانے کا ہمیں بڑا افسوس ہُوا مگر اب افسوس کرنے کا وقت نہ تھا بلکہ کچھ کرنے کا وقت تھا کیونکہ جونہی شیر ہماری نظروں سے اوجھل ہُوا، دو ہاتھی جھومتے جھامتے ہمیں اپنی طرف آتے نظر آئے۔ ان میں سے ایک کا قد تو کوئی دس گیارہ فٹ کے قریب تھا اور دوسرے کا بارہ فٹ سے کسی طرح کم نہ ہو گا۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دو پہاڑ بھاگے آ رہے ہوں۔

ہاتھیوں کے پیچھے حبشیوں کا ایک بے پناہ ہجوم نعرے لگاتا اور شور و غل مچاتا آ رہا تھا۔ وہ تاک تاک کر ہاتھیوں کے نیزے اور بھالے مار رہے تھے۔ اور اس وقت تک بیسیوں نیزے ہاتھیوں کے جسم میں پرو چکے تھے۔ ہاتھیوں کے جسم سے خون فواروں کی طرح اُبل رہا تھا۔

اب اگر میں آپ کو یہ بتاؤں کہ جھاڑیاں ہاتھیوں کے سامنے گھاس کی طرح اُڑ رہی تھیں تو میرا خیال ہے کہ میں ان کی طاقت کا صحیح اندازہ آپ کو نہیں بتا سکوں گا۔ بس یوں سمجھ لیں کہ چھوٹے موٹے تو کیا اچھے خاصے درخت بھی یُوں ٹُوٹ ٹُوٹ کر گر رہے تھے جیسے درخت نہیں سرکنڈے ہوں۔

حبشی ہاتھیوں کو گھیرے میں لے چکے تھے اور اب چاروں طرف سے ان پر نیزوں اور بھالوں کی بارش ہو رہی تھی۔ حبشیوں کا جوش اس وقت دیکھنے کے قابل تھا۔ وہ اُچھل اُچھل کر تاک تاک کر اور چیخ چیخ کر نیزے پھینک رہے تھے۔ ہمارے دیکھتے ہی دیکھتے درجنوں نیزے ہاتھیوں کے جسم میں گڑ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گئے۔ ہم تینوں دوست حیرت اور دلچسپی سے یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ ویسے ہم پوری طرح ہوشیار تھے تاکہ خطرے کے وقت اپنا بچاؤ کر سکیں۔

سردار جبائی بھی ہمارے قریب ہی کھڑا شور مچا رہا تھا کہ یکایک ایک ہاتھی بڑے خوفناک انداز سے چنگھاڑا اور اپنی سونڈ اٹھا کر سردار پر حملہ آور ہوا۔ یہاں اگر میں سردار جبائی کی بہادری کی تعریف نہ کروں تو یہ بہت بڑی ناانصافی ہوگی۔ وہ اپنی جگہ بڑے حوصلے کے ساتھ کھڑا رہا اور جونہی ہاتھی اس کے قریب پہنچا، اس نے اپنا لمبا نیزہ پوری طاقت سے اس کے سینے میں اُتار دیا۔ ٹھیک اسی وقت حبشیوں نے چاروں طرف سے اس پر پھر بوچھاڑ کر دی اور پھر مختلف سمتوں میں بھاگ اٹھے تاکہ ہاتھی یہ سوچ ہی نہ سکے کہ اس کا دُشمن کون ہے۔

حبشیوں کو بھاگتا ہُوا دیکھ کر ہم بھی سر پر پاؤں رکھ کر بھاگے لیکن مَیں ابھی چند قدم ہی گیا ہوں گا کہ ناصر کی دہشت ناک چیخ سنائی دی۔ میرے قدم وہیں کے وہیں رُک گئے اور مَیں نے جلدی سے گھوم کر دیکھا۔ ناصر کا پاؤں ایک کانٹے دار جھاڑی

میں بُری طرح اُلجھا ہوا تھا اور ہاتھی پوری تیزی سے اس کی طرف سونڈ اٹھائے لپکا آرہا تھا۔

مَیں نے شاید زندگی میں آج تک اتنی بہادری اور جرأت نہیں دکھائی ہوگی۔ ناصر کو موت کے منہ میں جاتے دیکھ کر بجائے اس کے کہ میرے اوسان خطا ہو جاتے مَیں بجلی کی سی تیزی سے لپکا اور پلک جھپکنے کی دیر میں ہاتھی اور ناصر کے درمیان آ گیا۔ اتنی دیر میں ہاتھی بھی قریب پہنچ چکا تھا۔ مَیں نے رائفل کی نالی ہاتھی کے ماتھے سے لگا دی۔

"ماتھے کے درمیان میں فائر کرنا اصغر!" ناصر نے چیخ کر کہا۔ ٹھیک اسی لمحے خالد بھی میرے پاس آگیا تھا۔ میری اور خالد کی رائفلوں کی آوازیں ایک ساتھ جنگل میں گونجیں اور ہاتھی دُھم سے زمین پر گر گیا۔ مگر اس سے پہلے کہ ہم ایک دوسرے کو موت کے منہ سے بچ نکلنے پر مبارکباد دیتے اور گلے ملتے، ہمیں ایک اور خطرے کا احساس ہُوا ہم نے رائفلوں کو دوبارہ بھرا اور اس طرف بڑھے۔

ایک درخت پر سردار جبائی چڑھا ہُوا تھا اور دوسرا ہاتھی اپنی پوری طاقت سے اس درخت کو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اُکھاڑنے کی کوشش کر رہا تھا۔ درخت بُری طرح جھُول رہا تھا اور صاف نظر آرہا تھا کہ اگر ہاتھی نے چند جھٹکے اور مارے تو وہ اُکھڑ جائے گا۔

دوسرے حبشیوں نے بھی اس خطرے کو محسوس کر لیا تھا اور وہ اپنے سردار کی جان بچانے کی خاطر ہاتھی پر اپنے ہتھیاروں کی بارش برسا رہے تھے۔ مگر یُوں لگتا تھا جیسے ہاتھی سردار کا خاتمہ کرنے پر تُلا ہُوا ہے۔

خالد تیزی سے آگے بڑھا مگر ناصر نے لپک کر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا اور کہا۔ "اب میری باری ہے ٹھہر جاؤ۔"

خالد رُک گیا۔ ناصر لپک کر آگے بڑھا اور رائفل کی نالیاں ہاتھی کے دل کے قریب لگا کر دونوں گھوڑے دبا دیئے۔ دونوں گولیاں ہاتھی کے دِل میں اتر گئیں اور وُہ دھڑام سے زمین پر گر گیا۔

حبشیوں نے ہاتھی کو گرتے دیکھا تو ان کی خوشی اور جوش کی کوئی حد نہ رہی۔ وہ ہاتھیوں کی لاشوں کے گرد ناچنے گانے لگے۔

سردار جمباڈی نے ہمارا شکریہ ادا کیا اور ہمیں گلے

لگا کر ہماری ناک سے ناک رگڑی۔ اب چونکہ شام ہو چکی تھی اور رات کا اندھیرا تیزی سے جنگل میں پھیل رہا تھا۔ اس لیے سردار نے ایک اونچی سی جگہ پر خیمے لگانے کا حکم دیا۔ ان کا ارادہ رات یہیں گزارنے کا تھا۔

کچھ لوگ تو خیمے وغیرہ لگانے لگے اور کچھ ہاتھیوں کے ٹکڑے کرنے لگے۔ یہ لوگ ہاتھی کا گوشت بڑے شوق سے کھاتے ہیں۔ اس لیے آج ان کی خوشیوں کا کوئی ٹھکانا نہ تھا۔

وہ رات جو ہم نے اپنے حبشی دوستوں کے ساتھ جنگل میں گزاری، ایک یادگار رات تھی۔ ان لوگوں نے آگ کے بڑے بڑے الاؤ روشن کر رکھے تھے اور ان کے گرد بیٹھے گوشت بھُون بھُون کر کھا رہے تھے۔ ہم ان کے خوشی سے چمکتے ہوئے چہروں کو دیکھ رہے تھے۔ ان لوگوں کی ضروریات کتنی مختصر ہیں اور یہ فکروں اور اندیشوں سے کس قدر دُور ہیں۔ کھانے کے لیے خوراک ہو اور آگ ہو تو انھیں اور کچھ نہیں چاہیے۔ یہی دونوں چیزیں ان کے لیے سب سے بڑی نعمتیں ہیں۔ انہوں نے ہم سے گوشت

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کھانے کے لیے اصرار کیا لیکن ہم نے منع کر دیا۔ ہمارے پاس اپنا کھانے پینے کا سامان تھا۔

اُس رات ہم لوگ دیر تک جاگتے اور جنگلی جانوروں کے بارے میں باتیں کرتے رہے۔ آخر نیند سے ہماری آنکھیں بوجھل ہونے لگیں اور ہم اپنے خیموں میں آکر سو گئے۔ دن بھر چونکہ شکار کھیلا تھا۔ اس لیے رات کو خوابوں میں بھی شکار ہی کھیلتے رہے۔

بے گناہوں کا خُون

اگلے روز سردار نے واپسی کا حکم دیا۔ جلدی جلدی سارا سامان سمیٹا گیا اور ہم لوگ واپس گاؤں میں آ گئے۔ میکرارُو اب ہمارے ساتھ ہی رہتا تھا اور ہمارا بہت اچھا مددگار ثابت ہو رہا تھا، اس لیے ہم بھی اسے خوش رکھنے کی کوشش کر رہے تھے۔

ایک دو دن اسی طرح گزر گئے۔ ہمارا خیال تھا کہ ذرا تھکن وغیرہ اتار کر اپنے سفر پر روانہ ہو جائیں گے۔

ایک روز صبح کو ہم اپنے جھونپڑے سے باہر نکلے تو پورے گاؤں پر ایک عجیب سناٹا چھایا ہُوا تھا جس مرد، عورت، بچے اور بوڑھے کو دیکھتے ہیں، چُپ چاپ، سہما سہما سا لگ رہا ہے۔ اُن کے چہرے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اترے ہوئے تھے اور آنکھوں میں عجیب سا خوف جھلک رہا تھا۔ ہم یہ دیکھ کر بہت پریشان ہوئے اور فوراً اپنے جھونپڑے میں واپس آگئے اور آپس میں باتیں کرنے لگے۔ تھوڑی دیر بعد میکرارُو بھی آگیا۔

"یہ کیا معاملہ ہے؟ گاؤں میں یہ منحوس سی پریشانی کیوں پھیلی ہوئی ہے؟ اور یہ تمہارا موٹا جادوگر کس سلسلے میں آیا ہُوا ہے۔ یہ بستی کے باہر رہتا ہے؟" میں نے پُوچھا۔

"صاب! گاؤں میں کوئی خون خرابہ ہونے والا ہے۔ یہ جادوگر اسی لیے آیا ہے۔" اس نے جواب دیا۔

"خون خرابہ؟" ہم نے چونک کر پوچھا۔ ہمارے دِل دھک سے رہ گئے۔

اب تک حبشیوں کی خونخواری اور آدم خوری کے جتنے واقعات ہم نے سُنے تھے، وُہ ایک ایک ہمیں یاد آنے لگے اور ہمیں یقین ہوگیا کہ ہمارا آخری وقت آن پہنچا ہے۔

"ہاں صاحب!" میکرارُو نے کہا۔ "آج رات

یہاں ضرور کسی کا خون ہوگا!"

"دیکھو میک!" ناصر نے کہا۔ "تم ایک شریف آدمی معلوم ہوتے ہو اور ہمارے نہ صرف ملازم بلکہ دوست بھی ہو۔ ہم تم سے یہ نہیں کہتے کہ تم ہمارے ساتھ مل کر اپنے قبیلے والوں کے خلاف لڑو مگر بطور اَنسان کے تُمھارا یہ فرض ہے کہ خطرے کے وقت ہمیں ضرور بتا دینا اور اگر ممکن ہو تو یہاں سے بچ نکلنے میں ہماری مدد بھی کرنا۔"

خالد نے کہا۔ "یہ بات تم اچھی طرح سمجھ لو اور اپنے قبیلے والوں کو بھی بتا دینا کہ ہم بزدِل نہیں ہیں۔ ہم آخری وقت تک مقابلہ کریں گے اور اپنی جان دینے سے پہلے کم از کم تُمھارے آدھے قبیلے کا صفایا کر دیں گے کیونکہ ہماری رائفلیں بہت اچھی ہیں اور ہمارے پاس گولیوں کا بھی کافی ذخیرہ ہے۔"

"نہیں صاحب!" میکرارُو بولا۔ "آپ لوگوں کی جانوں کو کوئی خطرہ نہیں۔ خون آپ کا نہیں بلکہ یا تو قبیلے کے کسی آدمی کا ہوگا یا پھر ہمارے غلام اور لونڈیوں میں سے کسی کا۔ آپ کی تو سب لوگ عزّت کرتے ہیں۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میک کی یہ بات سُن کر ہمیں کسی قدر اطمینان ہُوا ورنہ ہم تو ڈر گئے تھے۔

"لیکن میک اس خون خرابے کی وجہ کیا ہے؟" خالد نے پوچھا۔

"بات یہ ہے صاحب کہ سردار کچھ عرصے سے کسی نامعلوم بیماری میں مبتلا ہے اور روز بروز کمزور ہوتا جا رہا ہے۔ بہت علاج کیا مگر کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ اب جادوگر نے بتایا ہے کہ تمہارے قبیلے میں سے کسی نے تم پر جادو کر دیا ہے۔ جب تک اس جادو کرنے والے کو ہلاک نہ کیا جائے گا۔ تمھارا تندرست ہونا ممکن نہیں۔ آج رات جادوگر ان لوگوں کا کھوج لگائے گا جنھوں نے سردار پر جادو کیا ہے اور پھر ان سب کو مار دیا جائے گا۔

"ہوں، تو یہ بات ہے۔" ناصر نے کہا۔

میکرارُو چلا گیا اور ہم پھر آپس میں صلاح مشورہ کرنے لگے۔ اگرچہ میکرارُو نے ہماری تسلّی کر دی۔ مگر اس کے باوجود ہم پوری طرح مطمئن نہ تھے۔ ہم نے جلدی جلدی سفر کی تیاریاں شروع کر دیں اور سردار کو بھی اس کی اطلاع کر دی۔ سردار نے

پہلے تو بہت اصرار کیا کہ ہم کچھ عرصہ اس کے پاس رہیں مگر ہمارے بار بار کہنے پر اس نے اگلے دن ہمیں جانے کی اجازت دے دی اور اپنے قبیلے کے کچھ نوجوانوں کو بطور قلی ہمارے ساتھ جانے کا حکم بھی دے دیا۔

اس روز شام کو قبیلے کے سارے لوگ کھانے پینے سے فارغ ہو کر ایک کھُلی جگہ پر جمع ہونے لگے اور ساتھ ہی زور زور سے ڈھول تاشے پیٹے جانے لگے۔ ہم اپنی جھونپڑی میں بیٹھے تھے مگر کان اُن آوازوں پر لگے ہوئے تھے اور ہم ہر قسم کے خطرے کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار تھے۔

اِسی طرح آدھی رات بیت گئی۔ اچانک جھونپڑی کے باہر ہمیں کسی کے قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ ہم تینوں سنبھل کر بیٹھ گئے۔

"دروازہ کھولیے۔" میکرارُو کی آواز آئی۔ ناصر نے اُٹھ کر دروازہ کھولا مگر رائفل اس کے ہاتھ ہی میں تھی۔ میکرارُو اندر داخل ہُوا۔ اس کا چہرہ خوف سے زرد ہو رہا تھا اور وُہ بُری طرح کانپ رہا تھا۔

"خدا کے لیے میری مدد کیجیے۔" اس نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہاتھ جوڑ کر کہا۔ "میں آپ کا احسان ساری عمر نہ بھولوں گا۔"

"کیسی مدد میک! صاف صاف کہو۔" خالد نے کہا۔

"وہ لوگ میری منگیتر اوکنڈا کو قتل کرنے والے ہیں۔ جادوگر نے اس کو بھی ان لوگوں میں شامل کر لیا ہے۔ جن پر اسے شبہ ہے۔"

"گھبراؤ نہیں میک۔ ہم ایک بے گناہ عورت کا خون نہیں ہونے دیں گے۔" ناصر نے جوشیلے انداز میں کہا۔ "مگر یہ تو بتاؤ کہ وہ اپنے دشمن کو ہلاک کس طرح کرتے ہیں؟ کیا فوراً قتل کر دیتے ہیں؟"

"نہیں" میکرارو نے کہا۔ "جن لوگوں پر شک ہوتا ہے ان کو لوگوں کے ہجوم کے درمیان کھڑا کر دیا جاتا ہے اور چند آدمی چھرے لے کر ان کے پیچھے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اس کے بعد ان آدمیوں میں سے ایک کو زہر کا پیالہ پینے کو کہا جاتا ہے۔ اگر وہ شخص زہر پی لے اور اس پر کوئی اثر نہ ہو تو اسے بے گناہ سمجھ کر چھوڑ دیا جاتا ہے لیکن اگر اس پر زہر کا اثر ہونے لگے تو پیچھے کھڑے ہوئے آدمی فوراً چھروں سے اس کی تکا بوٹی کر دیتے ہیں۔"

"اچھا!" خالد نے حیرت سے کہا۔ "تو پھر جلدی کرو۔ آؤ شاید ہم تمہاری منگیتر کو بچانے میں کامیاب ہو جائیں۔"

ہم رائفلیں لے کر جلدی سے اس مقام کی طرف بڑھے جہاں یہ خونی ڈراما کھیلا جا رہا تھا۔ وہاں پہنچ کر جو خوفناک منظر ہم نے دیکھا وہ بیان نہیں کیا جا سکتا۔

گاؤں کے بیچوں بیچ ایک کھلی جگہ پر قبیلے کے لوگ دائرہ باندھے کھڑے تھے۔ ایک اونچی سی جگہ پر سردار اور جادوگر بیٹھے تھے۔ جادوگر کا حلیہ بڑا خوفناک تھا۔ اس کے منہ پر کوئی سفید سی چیز ملی ہوئی تھی۔ ماتھے پر ایک سرخ رنگ کی پٹی بندھی تھی۔ گلے میں عجیب و غریب پتھروں اور ہڈیوں کی مالا تھی اور سر پر پروں کا بنا ہوا تاج۔ وہ خاصا خوفناک اور بدصورت انسان تھا اور اسے دیکھتے ہی دل میں نفرت جاگ اٹھتی تھی۔

ہجوم کے درمیان میں کھلی جگہ پر کئی آدمیوں کے ہاتھ پاؤں کٹے پڑے تھے اور خون سے زمین سرخ ہو رہی تھی۔ مجرموں میں اب ایک بوڑھا اور میکرارو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کی منگیتر اوکنڈا رہ گئے تھے۔ باقی سب کو انھوں نے موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ اوکنڈا کا رنگ ہلدی کی طرح زرد ہو رہا تھا اور وہ تھر تھر کانپ رہی تھی بوڑھا ہمارے وہاں پہنچنے سے پہلے زہر کا پیالہ پی چکا تھا اور لڑکھڑا کر گرنے ہی والا تھا کہ برچھوں اور چھُروں سے اس کا قیمہ کر دیا گیا۔

یہ دیکھ کر ناصر ہجوم کو چیرتا ہُوا آگے بڑھا اور سردار سے کہا۔ "سردار! لڑکی کو چھوڑ دو۔ یہ بے گناہ معلوم ہوتی ہے۔"

سردار نے حیرت سے ہماری طرف دیکھا اور بولا۔ "یہ لڑکی مجرم ہے اس نے مجھ پر جادو کیا ہے قبیلے کے رواج کے مطابق اس کو قتل کرنا ضروری ہے۔ تم میرے مہمان ہو۔ جاکر اپنی جھونپڑی میں سو جاؤ اور ہماری باتوں میں دخل نہ دو۔"

"نہیں۔ ہم اس وقت تک آرام سے نہیں سو سکتے جب تک تم اس لڑکی کی جان بخشی کا وعدہ نہ کرو گے۔"

اِس کے جواب میں سردار نے ایک لمبی چوڑی تقریر جھاڑی اور لڑکی کو چھوڑنے سے صاف

انکار کر دیا۔ یہ دیکھ کر خالد آگے بڑھا اور اس نے چپکے سے میکرارُو کے کان میں کہا۔ "تم جادوگر سے جا کر کہو کہ وہ لڑکی کی سزا کو کل تک کے لیے ٹال دے اس کے بدلے میں مَیں اسے ایک بہترین رائفل دوں گا۔"

جادوگر ناصر کی باتوں پر بھرا بیٹھا تھا اور اس کا چہرہ پہلے سے زیادہ خوفناک ہو گیا تھا۔ مگر جب میکرارُو نے اس کو خالد کا پیغام دیا تو وُہ ایک دم نرم پڑ گیا۔ حبشیوں کے لیے رائفل بہت بڑا لالچ ہے۔ رائفل کا نام سن کر جادوگر کا چہرہ کھِل گیا۔ وہ فوراً اپنی جگہ سے اُٹھا اور سردار کے پاس جا کر کہنے لگا۔

"سردار! جانے دیجیے۔ یہ ہمارے مہمان ہیں ان کی بات مان لیجیے اور لڑکی کو کل تک کے لیے چھوڑ دیجیے۔"

سردار بھلا جادوگر کی بات کیسے ٹال سکتا تھا۔ اس نے سر ہلایا اور بولا

"بہت بہتر۔ لڑکی کو لے جاؤ اور قید میں ڈال دو۔ خبردار! بچ کر نکلنے نہ پائے۔ ہم کل تک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

انتظار کریں گے۔"

چند ہتھیار بند آدمی آگے بڑھے اور اوکنڈا کو ساتھ لے کر چلے گئے اس کے جانے کے بعد ہم نے بھی وہاں ٹھہرنا مناسب نہ سمجھا اور واپس اپنی جھونپڑی میں چلے آئے۔ تمام رات ہم یہی سوچتے رہے کہ اوکنڈا کی جان کس طرح بچائی جائے۔ اس وقت تو ہم نے اسے بچا لیا تھا مگر کل کا معاملہ مشکل نظر آرہا تھا۔

"بس ایک ہی صورت ہے" ناصر نے کہا "کل ہم اوکنڈا کو لے کر بھاگ جائیں۔ اس کے علاوہ اور کوئی صورت نہیں۔"

"یہ بہت مشکل ہے" میکرارڈو بولا۔ "اوکنڈا سخت پہرے میں ہے۔"

"اگر ہم ان پہرے داروں پر قابو پا لیں تو اوکنڈا کو نکال کر لے جا سکتے ہیں" ناصر بولا۔ "مشکل یہ ہے کہ چھپیں گے کہاں؟"

"یہاں سے کچھ فاصلے پر جنگل میں ایک غار ہے وہاں ہم چھپ سکتے ہیں مگر مجھے تو اس سے بڑا خوف آتا ہے" میکرارڈو نے کہا۔ "کیونکہ وہاں

مُردوں کی رُوحیں رہتی ہیں۔ ہمارے قبیلے کا کوئی شخص وہاں نہیں جاتا۔"

"بہت اچھے۔" ناصر نے خوش ہو کر کہا۔ "اگر وہ لوگ اس غار سے ڈرتے ہیں تو وہ ہمارے چھپنے کے لیے بہترین جگہ ہوگی۔ سنو میرے ذہن میں ایک ترکیب آئی ہے کل ہم دن کے وقت سردار سے اجازت لے کر اپنے سفر پر روانہ ہو جائیں گے کچھ دُور جا کر کیمپ لگا لیں گے اور آدھی رات ہونے سے پہلے پہلے اوکنڈا کو نکال کر لے جائیں گے۔ ہم ایسے وقت آئیں گے جب گاؤں کے سارے لوگ تماشا دیکھنے کے لیے جمع ہو چکے ہوں گے۔"

"مگر اس میں ایک مشکل ہے۔ اگر انہوں نے لڑکی کو آدھی رات سے پہلے ہی قتل کر ڈالا تو؟" میں نے کہا۔

"نہیں۔ ہم سردار کو اس کی قسم دے جائیں گے کہ وہ اپنے وعدے پر قائم رہے۔ مجھے یقین ہے کہ وہ اپنی قسم ہرگز نہیں توڑے گا۔"

"ایک اور بھی مشکل ہے اس میں۔ اب کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

خالد نے کہا۔

"وہ کیا؟"

"جن مزدوروں کو ہم اپنے ساتھ لے جائیں گے۔ ان کا کیا کرو گے؟" انھیں پتا نہ چل جائے گا؟"

"یہ تو ہم نے سوچا ہی نہیں تھا۔" ناصر نے پریشان ہو کر کہا۔

"اس کا حل میں بتاتا ہوں۔" میں بولا۔ "ہم مزدوروں کو سامان دے کر یہاں سے پہلے ہی روانہ کر دیں گے اور ان سے کہہ دیں گے کہ جنگل میں فلاں جگہ پر وہ رک جائیں اور ہمارا انتظار کریں۔ ہم ان سے کہہ دیں گے کہ ہم رات بھر جنگل میں شکار کھیلیں گے اور اگلے روز ان سے آن ملیں گے۔"

"بہت خوب، واہ! آج تو اصغر تم نے کمال کر دیا۔ خوب تجویز سوچی۔ بس اسی طرح کریں گے۔"

"اچھا بھئی معاملہ طے ہو گیا۔ میری تو آنکھیں نیند سے بند ہوئی جا رہی ہیں۔ اب خدا کے لیے سونے دو۔ باقی باتیں کل طے کر لیں گے۔" خالد نے کہا اور جمائی پر جمائی لینے لگا۔

اوکنڈا

اگلے روز ہم نے صبح اٹھتے ہی سفر کی تیاریاں شروع کر دیں۔ سردار جمبائی نے اپنے قبیلے کے چند نوجوانوں کو ہمارے ساتھ جانے کا حکم دیا اور ہم سے اس بات کا وعدہ کر لیا کہ وہ آدھی رات سے پہلے اوکنڈا کو ہلاک نہیں کرے گا۔

گاؤں سے رخصت ہو کر ہم دریا پر آئے وہاں ہمیں ایک کشتی مل گئی۔ ہم نے سارا سامان کشتی میں رکھا اور روانہ ہو گئے۔ کافی دیر سفر کرنے کے بعد ہم نے ایک جگہ کشتی رکوائی اور دوسرے کنارے پر اتر گئے۔ مزدوروں کو ہم نے دریا کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ایک موڑ پر رُک جانے اور کیمپ لگانے کو کہا خود ہم ان کے سامنے جنگل میں گھس گئے۔ انھیں ہم نے یہی بتایا کہ ہم یہاں شکار کھیلنا چاہتے ہیں

"اچھا بھئی میک! اب بتاؤ کہاں ہے وُہ تمھارا غار؟" خالد نے کہا۔

میکراڑو ہمارے آگے آگے چلنے لگا۔ جنگل کا یہ حصّہ بہت گھنا تھا۔ جا بجا جھاڑیاں، اونچی نیچی زمین اور طرح طرح کی رکاوٹیں تھیں۔ ہم جُوں تُوں آگے بڑھتے ہی گئے اور کوئی ایک گھنٹے کے سفر کے بعد ایک پہاڑی کے قریب پہنچ گئے۔

"غار اس کے اُوپر ہے۔" میکراڑو نے پہاڑی کی طرف اشارہ کیا۔

"تو آؤ نا رُک کیوں گئے ہو؟" خالد نے کہا۔

"مجھے رُوحوں سے ڈر لگتا ہے۔" اس نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔

"شام ہو رہی ہے پاگل انسان اور تمہاری منگیتر کی جان خطرے میں ہے۔ بہادر بنو۔ آج کی رات سارے خوف اور سارے ڈر دل سے نکال دو

ورنہ یاد رکھو اوکنڈا کی عمر بھر شکل نہ دیکھ سکو گے۔"

خالد کی ان باتوں نے میکراڑو کی کایا پلٹ دی اس نے ایک بار شرم سے ہماری طرف دیکھا۔ اور اُوپر چڑھتا ہوا غار کے منہ پر پہنچ گیا۔

"خالد تمہارے پاس ماچس ہے۔ ایک دیاسلائی تو جلاؤ۔" ناصر نے اپنے تھیلے میں سے دو تین مشعلیں نکالتے ہوئے کہا۔ یہ مشعلیں ہم نے پہلے سے بنا لی تھیں تاکہ غار میں ہمارے کام آئیں۔

خالد نے دیا سلائی سے مشعلوں کو آگ لگائی اور ہم مشعلیں ہاتھ میں لے کر غار میں اتر گئے۔ غار خاصا لمبا چوڑا اور فراخ تھا اور ہمارے لیے ایک بہترین پناہ گاہ ثابت ہو سکتا تھا۔

ابھی ہم غار کے اندر مشکل سے چند ہی قدم گئے ہوں گے کہ اچانک اندر سے ایک عجیب سا شور سنائی دیا اور اندر کی ہوا اتنی تیز ہو گئی جیسے ہزاروں پنکھے ایک دم چلنے شروع ہو گئے ہوں۔ ہماری مشعلوں کے شعلے تھرتھرانے لگے۔ ہم سب جہاں تھے وہیں رک گئے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دوسروں کے بارے میں تو میں کہہ نہیں سکتا مگر میرا تو سچ مچ خون خشک ہو گیا تھا۔

ابھی ہم سوچ ہی رہے تھے کہ یہ کیا معاملہ ہے کہ یکایک کچھ نامعلوم سی چیزیں پھڑپھڑاتی ہوئی ہمارے سروں کے اوپر سے گزرنے لگیں۔ اس کے ساتھ ہی ہماری مشعلیں بھی بجھ گئیں۔ میکرارڈو نے ایک چیخ ماری اور پیچھے کی طرف بھاگا مگر ناصر نے لپک کر اسے پکڑ لیا۔

میکرارڈو کی چیخ سے ایک بار پھر پھڑپھڑاہٹ کا شور اٹھا اور کچھ اور چیزیں ہمارے سروں کے اوپر سے گزر گئیں۔

"ارے یہ تو چمگادڑ ہیں۔ لاحول ولا۔" ناصر بولا۔ "خالد! دیا سلائی جلاؤ اور مشعلوں کو روشن کرو۔"

اب ہماری جان میں جان آئی اور ہم مشعلوں کی روشنی میں بے خوف ہو کر آگے بڑھنے لگے۔

وہ غار کوئی سو گز کے قریب لمبا اور پچاس گز کے قریب چوڑا تھا۔ ہم نے اس کو خوب اچھی طرح دیکھا بھالا۔ خطرے کی کوئی بات نہ تھی۔ پھر ہم نے مشعلوں کو سوراخوں میں گاڑ دیا اور آپس

میں مشورہ کرنے لگے کہ کس وقت واپس جایا جائے چونکہ اندھیرا ہو چکا تھا اس لیے فوراً ہی واپس جانے کی صلاح کی گئی مگر ناصر نے کہا کہ ہمیں اپنے چہرے سیاہ کر لینے چاہئیں تاکہ اگر کوئی ہمیں دیکھ بھی لے تو پہچان نہ سکے۔ ناصر کے سامان میں اتفاق سے کالی سیاہی بھی تھی۔ ہم تینوں نے اپنے اپنے منہ کالے کرنا شروع کر دیے۔ سب سے پہلے خالد فارغ ہوا اور جب میں نے اسے دیکھا تو ایک بار تو مجھے بھی شبہ ہو گیا کہ واقعی خالد ہی ہے یا کوئی حبشی۔ اس نے بڑی اچھی طرح اپنا حلیہ بدلا تھا۔

"اچھا بھئی! اب تم لوگ تو اپنا کام کرو اور میں اپنا ایک کام کرتا ہوں۔" خالد نے کہا۔ "یہ میرا اپنا ایک منصوبہ ہے۔ اگر حبشیوں نے ہمارا پیچھا کیا اور یہاں غار میں گھس آئے تو پھر میں تمھیں ایک تماشا دکھاؤں گا۔"

"ٹھیک ہے مگر اپنا کام پانچ منٹ کے اندر اندر ختم کر لو۔" ناصر نے کہا۔ وہ بھی اپنے منہ پر سیاہی تھوپ چکا تھا اور اب میری مدد کر رہا تھا۔ خالد نے جلدی سے اپنا تھیلا کھولا اور اس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

یں بندوقوں میں بھرنے والی بارود نکال کر ایک بڑے سے پتھر پر ڈال دی ۔ یہ بارود ہم حبشی سرداروں کو تحفوں میں دینے کے لیے لائے تھے ۔ حبشی پرانی قسم کی توڑے دار بندوقیں استعمال کرتے تھے ۔ اس لیے یہ بارود ان کے لیے بڑی قیمتی چیز تھی ۔

خالد نے بارود میں تھوڑا سا پانی ملایا اور پھر آٹے کی مانند اچھی طرح گوندھ لیا اس کے بعد اس کا ایک گولہ بنایا اور پھر اس کے تین حصے کر دیئے ان تینوں حصوں کی اس نے مخروطی سے شکلیں بنائیں اور وہیں چٹان پر خشک ہونے کے لیے رکھ دیں۔

میں اور ناصر اپنے بوٹوں کے تسمے باندھ رہے تھے کہ یکایک ایک دِل دہلا دینے والی چیخ سی سنائی دی ۔ میکرارو منہ کے بل زمین پر گر گیا ۔ مجھے یوں لگا جیسے میرے دِل کی حرکت ہی رُک گئی ہو ناصر بھی آواز سن کر اُچھل پڑا تھا اور اس نے اپنا لمبا شکاری چاقو نکال لیا تھا ۔ ہم نے خوفزدہ نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھا مگر کچھ بھی نظر نہیں آیا ۔ ہاں خالد ضرور زور زور سے قہقہے لگا رہا تھا ۔

" ایسے مشکل وقت میں اس قسم کی شرارتوں کی

کونسی تُک ہے " ناصر نے ناراض ہو کر کہا ۔

" تم نے تو ہماری جان ہی نکال دی تھی " میں نے کہا ۔

" یہ میرے منصوبے ہی کا ایک حصہ تھا اور میں اس کی آزمائش کرنا چاہتا تھا ۔"

" تو ہمیں پہلے سے بتا تو دیتے " ناصر نے کہا ۔

" اگر پہلے سے بتا دیتا تو اس چیخ کے اثر کا اندازہ کس طرح ہوتا ؟ ۔ خیر چھوڑو اب اس قصے کو یہ بتاؤ پروگرام کیا ہے ؟"

" پروگرام کیا بس آؤ اب چلیں " ناصر نے کہا ۔

ہم چاروں حبشیوں کی بستی کی طرف روانہ ہو گئے دریا کے کنارے پر ایک کشتی بندھی ہوئی تھی ۔ ہم نے اس میں بیٹھ کر دریا پار کیا اور پھر سوچنے لگے کہ اب کیا کریں ۔

طے یہ پایا کہ یہیں ایک جھاڑی میں اپنے جوتے اور رائفلیں رکھ دیں اور صرف شکاری چاقو ساتھ لے جائیں ۔ جب یہ کام ختم ہو چکا تو ہم دبے پاؤں بستی کی طرف چلے ۔ خالد نے آگے بڑھ کر ایک جھونپڑی میں جھانک کر دیکھا وہ خالی تھی ۔ اس کے بعد دوسری

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اور تیسری جھونپڑی کو دیکھا گیا وہ بھی خالی تھیں۔ اس سے ہم نے اندازہ لگایا کہ سب لوگ گاؤں کے میدان میں، جہاں مجرم کو سزا دی جانے والی تھی، جمع ہو چکے ہیں۔ کچھ فاصلے پر اُن لوگوں کی آوازیں بھی سنائی دے رہی تھیں۔

"اب ہم اس جھونپڑی کی طرف جائیں گے جہاں اوکنڈا قید ہے۔" ناصر نے کہا۔ جھونپڑی یہاں سے زیادہ فاصلے پر نہیں ہے۔ میں نے رُخصت ہونے سے پہلے اسے اچھی طرح دیکھ لیا تھا۔ اس وقت وہاں صرف چار پہرے دار تھے۔ ہو سکتا ہے کہ اب ان کی تعداد زیادہ ہو۔ اگر وہ چار ہوئے تو آسانی سے انہیں زیر کر لیں گے۔ مگر دیکھو! کسی کا خون کرنے ضرورت نہیں۔ چاقوؤں کے دستے استعمال کرنا۔ ایک ایک ضرب ہی سے وہ بے ہوش ہو جائیں گے۔ ہم صرف اوکنڈا کو وہاں سے نکالنا چاہتے ہیں اور اس کے لیے اگر مار دھاڑ کے بغیر ہی کام بن جائے تو اچھا ہے۔"

ناصر کی تجویز بڑی معقول تھی سب نے اُسے منظور کر لیا اور ہم دبے پاؤں اس جھونپڑی کی

طرف بڑھے جہاں اوکنڈا قید تھی۔ جھونپڑی کی پچھلی جانب پہنچ کر ہم رُک گئے۔ ناصر نے ہمیں احتیاط کرنے کی تاکید کی اور اس کے بعد ہم اندھیرے میں آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگے۔

جھونپڑی کے باہر چار پہرے دار آرام سے بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ ان کے نیزے قریب ہی رکھے ہوئے تھے۔ جھونپڑی کا دروازہ کھلا تھا اور اس میں اوکنڈا سر جھکائے بیٹھی رو رہی تھی۔

ہم نے ناصر کی طرف دیکھا اور اس کا اشارہ پاتے ہی چیتے کی سی پھرتی سے اپنے اپنے شکار پر ٹوٹ پڑے۔ منٹ کی چوتھائی میں چاروں پہرے دار زمین پر چُپ چاپ پڑے تھے۔ ان میں سے کسی کے منہ سے ذرا سی آواز بھی نہ نکلی تھی۔

"اچانک اوکنڈا نے آہٹ سُن کر سر اُٹھایا اور خوفزدہ ہو کر چیخ ماری جو دُور تک گونجتی چلی گئی لیکن اس سے پہلے کہ وہ پھر چیختی۔ میکرارُو آگے بڑھا اور اس کے مُنہ پر ہاتھ رکھ دیا۔

"اب جلدی یہاں سے بھاگو۔" ناصر نے کہا اور ہم ایک لمحہ ضائع کیے بغیر وہاں سے بھاگ اُٹھے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میکارُو نے ادکنڈا کا ہاتھ پکڑ رکھا تھا۔ وہ بھی پوری رفتار سے ہمارے ساتھ بھاگ رہی تھی۔ تھوڑی دیر بعد ہم اس جگہ پہنچ گئے جہاں ہم نے اپنے جوُتے اور رائفلیں رکھی تھیں۔ ہم نے جلدی جلدی جوُتے پہنے، رائفلیں اٹھائیں اور پھر بھاگ کھڑے ہوئے۔

یکایک ہم نے گاؤں کی طرف سے شوروغل کی آواز سُنی۔ "انھیں معلوم ہو گیا ہے اب وُہ شکاری کتوں کی طرح ہمارا پیچھا کریں گے۔ جتنا تیز دوڑ سکتے ہو، دَوڑو۔" خالد نے کہا اور ہم نے اپنی رفتار اور بھی تیز کر دی۔ لیکن تھوڑی ہی دیر بعد ادکنڈا کا سانس بُری طرح پھُول گیا اور اس کی ٹانگیں لڑکھڑانے لگیں۔ گاؤں کی طرف سے آنے والی آوازیں تیز ہو گئی تھیں اور اس کا مطلب یہ تھا کہ وُہ لوگ ہمارا پیچھا کر رہے تھے۔ اِدھر ہماری حالت یہ تھی کہ ہمیں بار بار رُک کر ادکنڈا کو اپنے ساتھ ملانا پڑتا تھا۔ ویسے اس بے چاری لڑکی کو بھی اچھی طرح معلوم تھا کہ اب اس کی زندگی کا دارومدار اس کی اپنی ہمت ہی پر ہے۔ اس لیے وہ اپنی پوری طاقت سے دوڑ رہی تھی۔ مگر آخر عورت تھی کہاں

تک بھاگتی۔ اتنی دیر میں ہم گاؤں سے کافی دُور نکل آئے تھے اور اب دریا دُور نہیں تھا۔

یکایک ہمیں اپنے پیچھے قدموں کی آہٹ سنائی دی اور اس کے ساتھ ہی حبشیوں کی ایک خاص چیخ بھی۔ ہم نے بھاگتے بھاگتے مڑ کر دیکھا۔ دو حبشی ہمارا پیچھا کر رہے تھے۔ وہ کسی قریبی راستے سے ہم تک آ پہنچے تھے ورنہ اتنی جلدی ان کا یہاں تک آنا ممکن نہ تھا۔ ان کی چیخ کے جواب میں جنگل کی طرف سے بہت سی چیخوں کی آوازیں آئیں۔ ان دونوں حبشیوں کی چیخ اصل میں ایک اشارہ تھا۔ انہوں نے اس کے ذریعے اپنے ساتھیوں تک یہ پیغام پہنچایا تھا کہ ہم نے مجرموں کو پا لیا ہے۔ جواب میں سنائی دینے والی چیخوں کا مطلب یہ تھا کہ ہم بھی اسی طرف آ رہے ہیں۔

اس وقت ہماری عجیب حالت تھی۔ دریا اب ہم سے کوئی سو گز کے فاصلے پر تھا۔ ادکنڈا کا دوڑتے دوڑتے بُرا حال ہو چکا تھا اور اب اس کے لیے چند قدم بھی بھاگنا دوبھر ہو رہا تھا۔ قریب تھا کہ وہ بے بس ہو کر گر جاتی کہ اچانک ناصر نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دوڑتے دوڑتے اپنی رائفل میرے ہاتھ میں دی اور جلدی سے اوکنڈا کی طرف بڑھا۔ ہمارا پیچھا کرنے والے دونوں حبشی اب ہم سے پچاس گز کے فاصلے پر تھے۔ ناصر نے لپک کر اوکنڈا کی کمر پکڑی اور دوڑتے ہی دوڑتے اسے اٹھا کر ہم سے آگے نکل گیا۔ مَیں اس کی بے پناہ طاقت کو دیکھ کر حیرت زدہ رہ گیا۔ یہ ٹھیک ہے کہ وُہ ڈیل ڈول میں ہم سب سے تگڑا تھا مگر اس میں اتنی طاقت ہو گی؟ یہ مَیں نے کبھی سوچا بھی نہ تھا۔

ناصر نے دریا کے کنارے پہنچ کر اوکنڈا کو اتارا اور اسے کشتی میں بیٹھنے کو کہا۔ وہ بغیر جھجکے کشتی میں بیٹھ گئی اور اس کے پیچھے پیچھے ہم بھی۔ چند لمحوں کے بعد وُہ دونوں حبشی بھی دریا کے قریب آپہنچے اور انھوں نے ایک ہیبت ناک چیخ مار کر دریا میں چھلانگ لگا دی۔ ہم جلدی جلدی کشتی کھیتے ہوئے دوسرے کنارے پر پہنچے اور پھر پوری طاقت سے غار کی طرف بھاگنا شروع کر دیا۔

اس بات کی ہمیں توقع نہ تھی کہ وہ حبشی اتنی جلدی دریا پار کر کے یہاں تک آجائیں گے۔ لیکن

جب ہم پہاڑی کے پاس پہنچ کر دم لینے کے لیے رُکے تو ہمیں کچھ فاصلے پر حبشیوں کے دوڑنے کی آواز آئی۔ خدا جانے وہ انسان تھے یا جن۔ مَیں دوڑ کر پہاڑی پر چڑھنے ہی والا تھا کہ ناصر نے مجھے روک لیا اور بولا۔ "اگر انہوں نے ہمیں غار میں داخل ہوتے دیکھ لیا تو بس سمجھ لو کہ ہم مارے گئے۔ آؤ پہلے انہیں ٹھکانے لگا دیں۔"

ہم نے میکرارُو کو تو اوکنڈا کے پاس چھوڑا اور خود حبشیوں کی طرف بڑھے۔ انہوں نے ہمیں دیکھتے ہی دہشت ناک چیخیں ماریں اور اُلٹے قدموں پیچھے کی طرف بھاگے مگر ہم نے اُنھیں پکڑ لیا اور غار میں لے جا کے ہاتھ پاؤں باندھ کر ڈال دیا۔ ابھی ہم اس کام سے فارغ ہوئے ہی تھے کہ باہر بہت سے قدموں کی آوازیں سُنائی دیں اور چند لمحوں میں غار کے مُنہ پر تقریباً سارے کا سارا گاؤں جمع ہو گیا۔ ان میں سردار جمبائی اور جادوگر بھی شامل تھا۔

وُہ آپس میں طرح طرح کی باتیں کر رہے تھے جن سے اندازہ ہوتا تھا کہ انھیں یہ شک تو ضرور ہے کہ اوکنڈا اسی غار میں ہے مگر یقین

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نہیں تھا۔
ویسے غار کے سامنے کھڑے ہوئے تقریباً تما
ہی لوگ خوفزدہ نظر آ رہے تھے۔ رُوحوں کے ڈر
سے ان میں سے کسی میں بھی اندر داخل ہونے کی
ہمت نہ تھی۔ یکایک سردار جمبائی آگے بڑھا اُ
اس نے جادُوگر کو غار کے اندر داخل ہونے کا اشار
کیا۔ ہم اندھیرے میں کھڑے یہ سارا تماشہ دیکھ
رہے تھے۔ ہماری انگلیاں رائفلوں کی لبلبی پر تھیں
اور ہم پوری طرح چوکنے تھے۔ البتہ خالد بڑی
تیزی سے اپنے کسی نامعلوم منصوبے کی تیار
کر رہا تھا۔

سردار نے جب جادوگر کو آگے بڑھنے کا ح
دیا تو اس کا رنگ فق ہو گیا۔ مگر سینکڑوں گاؤں وا
کے سامنے اُسے اپنا بھرم قائم رکھنا تھا۔ دوسر
وُہ سردار کے حکم کی خلاف ورزی بھی نہیں کر
سکتا تھا۔ اِس لیے وہ فوراً ہی سنبھل گیا اور اُس
نے چیخ کر اپنی زبان میں کچھ کہا۔ میکرارُو نے ہمیں
بتایا کہ وہ مشعلیں منگوا رہا ہے۔
مَیں نے خالد کی طرف دیکھا۔ اس نے ا

عجیب حُلیہ بنا لیا تھا۔ اُس نے کپڑے اُتار کر چند
چیتھڑے سے جسم پر لپیٹ لیے تھے اور ان چیتھڑوں
پر سوکھے پتّے اور ٹہنیاں باندھ لی تھیں۔ منہ پر
سیاہی تو پہلے سے ملی ہوئی تھی۔ اس وقت ہم
سب ایک چٹّان کی اوٹ میں تھے۔ اوکنڈا غار کے
پچھلے حصّے میں تھی۔

"اِدھر دیکھو! میری بات غور سے سُنو!" خالد نے
مجھے اور ناصر کو مخاطب کر کے کہا۔ "میرا اشارہ پاتے
ہی تم بارُود کی ان پھُلجھڑیوں کو آگ لگا دینا۔ اس
کے بعد چٹّان کی اوٹ میں چھُپ جانا۔ پھر مَیں جانوں
اور میرا کام۔ لیکن اگر کوئی خطرہ پیش آ جائے تو
میری حفاظت بھی کرنا۔ میرا مطلب ہے چٹّان کی
اوٹ میں سے رائفلیں دشمنوں ہی کی طرف رکھنا۔"
خالد پھلجھڑیاں ان مخروطی شکلوں کو کہہ رہا تھا۔
جو اس نے بارُود سے بنائی تھیں اور اب وہ اس
کے ہاتھوں میں تھیں۔
ہمیں اچھّی طرح سمجھانے کے بعد اس نے
تھیلے میں سے تھوڑی سی بارُود اور نکالی اور اسے
چٹّان پر اِدھر اُدھر اچھّی طرح بکھیر دیا۔ پھر اُس نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ایک پھلجھڑی تو اپنے سر پر رکھ لی اور دو ہاتھوں میں لے لیں۔ اب وہ پوری طرح تیار تھا۔

حبشی مشعلیں لے کر آ گئے تھے۔ جادوگر نے مشعلیں روشن کرائیں اور پھر ایک مشعل خود پکڑا، زور زور سے کچھ انٹ سنٹ پڑھتا ہُوا غار کے اندر داخل ہُوا۔ اسے دیکھ کر دوسرے لوگوں نے بھی جرأت کی اور نعرے لگاتے ہُوئے اندر گھسنے لگے۔

مشعلوں کی روشنی اور پھر شور۔ غار کی چمگادڑیں گھبرا کر اُڑیں تو پھر وہی ہوا جو کچھ دیر پہلے ہمارے ساتھ ہو چکا تھا۔ چمگادڑیں سینکڑوں کی تعداد میں تھیں۔ ان کے پَروں کی پھڑپھڑاہٹ سے سارا غار گونج اٹھا اور مشعلیں بجھ گئیں۔ حبشیوں کی چیخیں نکل گئیں۔ جو غار میں داخل ہو رہے تھے وہ واپس بھاگے۔ اور جو داخل ہو چکے تھے وہ مارے خوف کے وہیں بُت بن کر کھڑے ہو گئے

"جلاؤ!" خالد نے آہستہ سے کہا۔

ایک طرف سے مَیں نے اور دوسری طرف سے ناصر نے خالد کے ہاتھوں میں پکڑی ہوئی

پھلجھڑیوں کو آگ لگا دی۔ چنگاڑیوں کا فوّارہ سا ابل پڑا۔ تیسری دیا سلائی مَیں نے اس کے سر پر رکھی ہوئی پھلجھڑی کو بھی لگا دی اور اس میں سے بھی چنگاڑیاں چھوٹنے لگیں۔ خالد چٹان سے نکلا اور ایک دِل دہلا دینے والی چیخ مار کر غار کے منہ کی طرف بڑھا۔

ایک تو خوفناک چیخ، دوسرے شعلے اُگلتی ہوئی ایک عجیب و غریب ڈراؤنی شکل۔ حبشیوں کے رہے سہے اوسان بھی خطا ہو گئے۔ اور وہ سر پر پاؤں رکھ کر بھاگے۔ باہر بھی بھگدڑ مچ گئی۔ لوگ گرتے پڑتے، درختوں سے ٹکراتے، ایک دوسرے کو گراتے اور روندتے، جھاڑیوں میں الجھتے، چیختے چلاتے بھاگے چلے جا رہے تھے۔ چند ہی لمحوں میں میدان صاف ہو گیا۔

خالد کا تو ہنستے ہنستے بُرا حال ہو گیا۔ بھئی حد ہو گئی۔ سچ مچ مَیں نے اب تک لوگوں کو اتنا خوف زدہ کبھی نہیں دیکھا، جتنا آج دیکھا ہے۔ توبہ کس طرح بھاگے ہیں۔"

"تم نے تو کمال کر دیا۔" ناصر نے بھی ہنستے ہوئے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کہا۔ "اب میرا خیال ہے وہ اس طرف آنے کی جرأت نہیں کریں گے۔ کیوں میک؟"

"جی ہاں صاحب! یہاں اب ان کا باپ بھی نہیں آئے گا بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ اب کم از کم تین سو سال تک کوئی حبشی اس طرف کا رُخ نہیں کرے گا۔ مگر صاحب ہمیں فوراً آگے اپنے کیمپ میں پہنچ جانا چاہیے۔ سردار جباثی بہت چالاک آدمی ہے۔ وہ یہ معلوم کرنے کے لیے کہ اوکنڈا کے گم ہونے میں ہمارا ہاتھ تو نہیں، وہاں اپنا کوئی نہ کوئی آدمی ضرور بھیجے گا۔ اور اگر ہم کیمپ سے غائب ہوئے تو اس کو شبہ ہو جائے گا۔"

"یہ تو تم نے واقعی بڑے پتے کی بات کہی ہے۔ ہمیں جلد سے جلد کیمپ میں پہنچنے کی کوشش کرنی چاہیے۔" ناصر نے کہا۔ "مگر اوکنڈا کا کیا ہو گا۔ اسے کہاں رکھا جائے؟ کیمپ میں تو ہم اسے رکھ نہیں سکتے کیونکہ مزدور اس کو اچھی طرح جانتے ہیں۔"

"ایک صورت ہے۔" میں نے کہا۔ "میک اور اوکنڈا ہم سے کچھ فاصلے پر آگے آگے چلیں گے

ہم مزدوروں سے کہہ دیں گے کہ میک راستے کا کھوج لگانے کے لیے آگے آگے جا رہا ہے۔ جب ہم کسی گاؤں میں پہنچ جائیں گے تو وہاں اوکنڈا کو گاؤں والوں کی حفاظت میں دے کر آگے روانہ ہو جائیں گے۔"

"تجویز تو بُری نہیں لیکن ......" ناصر نے کہا۔

"لیکن کیا؟" میں نے پوچھا۔

"اگر ہمیں کسی سے بات چیت کرنے کی ضرورت پیش آئی تو کیا کریں گے؟"

"میک روز رات کو اوکنڈا کو کسی محفوظ جگہ پر چھوڑ کر ہمارے پاس آ جایا کرے گا اور مزدوروں کو اچھی طرح راستہ سمجھا دیا کرے گا۔ ہمیں ان کے ساتھ زیادہ مغز ماری نہیں کرنی پڑے گی۔ ہاں اگر کچھ کہنے سُننے کی ضرورت پیش آئی بھی تو اشاروں سے کام چلا لیں گے۔" خالد نے جواب دیا۔ "بس یہ ٹھیک ہے۔" ناصر نے کہا اور تجویز منظور ہو گئی۔

ہم ان باتوں میں ایسے اُلجھے کہ ان دونوں حبشیوں کو بھول ہی گئے جنہیں ہم نے باندھ کر غار

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں ڈال دیا تھا۔ ہمیں باتوں میں مشغول دیکھ کر انھوں نے نہ جانے کس طرح اپنی رسیاں ڈھیلی کر لیں اور پھر تیر کی طرح باہر کی طرف بھاگ اٹھے۔

ہم نے چونک کر ان کی طرف دیکھا اور اس کے ساتھ ہی ناصر اور میکرارڈو ان کی طرف لپکے۔ ایک قیدی تو ایسا گھبرایا کہ غار کے باہر ایک گہرے گڑھے میں سر کے بل گر گیا۔ اس کا منکا ٹوٹ گیا۔ اور وہ وہیں ایک لمحے میں مر گیا۔ دوسرا قیدی غار سے کچھ آگے نکل گیا۔ اس کے پیچھے میکرارڈو لپکا چند لمحوں کے بعد ہمیں ایک خوفناک چیخ سنائی دی ہم نے گھبرا کر ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ اسی وقت میکرارڈو غار میں داخل ہوا۔ اس کے شکاری چاقو سے خون کے قطرے ٹپک رہے تھے۔

ہم میکرارڈو پر برس پڑے کہ تم نے ایک بے گناہ انسان کا خون کیوں کیا مگر اس کا جواب اتنا معقول تھا کہ ہمیں خاموش ہو جانا پڑا۔ اس نے کہا۔

"صاحب اگر یہ جا کر قبیلے میں بتا دیتا کہ غار میں ہم لوگ چھپے ہوئے تھے اور ہم ہی اوکنڈا

کو بھگا کرے گئے ہیں۔ تو بتائیے سردار جمباٹی اور اس کے لوگ ہمارا کیا حال کرتے؟ وہ ہمیں ایسی تکلیفیں دے کر مارتے کہ آپ خیال بھی نہیں کر سکتے۔"

"اچھا چھوڑو اس قصے کو اور تیاری کرو۔" ناصر نے کہا۔ ہم نے جلدی جلدی سامان سمیٹا اور کیمپ کی طرف روانہ ہو گئے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

خوفناک حادثہ

جب ہم اس جگہ سے دو تین میل دُور رہ گئے جہاں ہم نے مزدُوروں کو کیمپ لگانے کا حکم دیا تھا تو ہم نے اوکنڈا اور ناصر کو وہیں چھوڑا اور میکرارڈ کو ساتھ لے کر کیمپ میں آ گئے مزدُور ہمیں خالی ہاتھ دیکھ کر بہت حیران ہوئے ہم ان سے یہ کہہ کر گئے تھے کہ بہت سا شکار لے کر آئیں گے۔ مگر ہمارے پاس مرا ہُوا چوہا بھی نہیں تھا۔

میکرارڈ نے سب حبشیوں کو جمع کیا اور اُنھیں وہ راستہ پوری طرح سمجھا دیا جس پر اگلے روز ہمیں سفر کرنا تھا۔ اس کے بعد وہ اوکنڈا کے پاس چلا گیا۔ ہم تھکے ہارے تو تھے ہی فوراً ہی بستروں پر دراز ہو کر سو گئے۔

ہمیں سوئے ہوئے مشکل سے ایک گھنٹہ ہُوا ہو گا کہ کسی نے زور شور سے پکارنا شروع کر دیا آنکھیں مَلتے ہوئے اٹھے کہ خدا جانے کونسی آفت آن پڑی ہے۔ پتا چلا کہ چلنے کا وقت ہو گیا ہے کچی نیند سے بیدار ہونے پر غصّہ تو بڑا آیا مگر اٹھنا ہی پڑا۔ جلدی جلدی سامان سمیٹا گیا اور ہم منہ اندھیرے ہی اپنے سفر پر روانہ ہو گئے۔

دوپہر کو ہم نے ایک جگہ رُک کر کھانا کھایا اور کچھ دیر آرام کیا اور پھر آگے چل پڑے۔ سورج غروب ہونے کے قریب تھا کہ ہمیں ناریل کے درختوں کا وہ جھنڈ نظر آیا جس کے بارے میں میکرارڈ نے ہمیں بتایا تھا۔ ہمیں وہیں رات گزارنی تھی۔ سامان اُتارا گیا اور مزدُوروں نے جلدی جلدی کیمپ لگا دیا۔ تھوڑی دیر بعد ناصر اور میکرارڈ بھی ہم سے آ ملے۔ ناصر اور میکرارڈ نے ہمیں بتایا کہ وہ اوکنڈا کو یہاں سے کچھ ہی دُور ایک محفوظ مقام پر چھوڑ آئے ہیں۔ اس کے پاس کھانے پینے کا کافی سامان ہے۔ اس لیے فکر کی کوئی بات نہیں۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اسی طرح کئی دن تک ہم سفر کرتے رہے اور اس دوران میں کوئی خاص واقعہ پیش نہ آیا آخر چلتے چلاتے ہم ایک روز حبشیوں کی ایک بستی میں پہنچے جو ایک خوبصورت سی ندی کے کنارے آباد تھی۔ یہاں میکرارُو ہم سے پہلے ہی پہنچ چکا تھا۔ اس لیے گاؤں میں داخل ہونے میں ہمیں کسی پریشانی کا سامنا نہ کرنا پڑا۔

میکرارُو نے گاؤں کے سردار مبانگو سے ہمارا تعارف کرایا اور ہمارے بارے میں ایسی عجیب و غریب باتیں گھڑ گھڑ کر سنائیں کہ سردار ہمیں کوئی دیوتا سمجھنے لگا۔ اس نے ہماری حد سے زیادہ آؤ بھگت کی اور ہمارے آرام و آسائش کا ہر سامان کیا۔ اس نے ہمیں کچھ دن رُکنے اور اپنے ساتھ شکار کھیلنے کی دعوت بھی دی۔ ہم نے اس کی دعوت کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ مجبور ہیں ٹھہر نہیں سکتے کیونکہ ہمارا سب سے بڑا مقصد گوریلوں کا شکار کھیلنا ہے۔ ہاں واپسی پر ہم آپ کے پاس ضرور آئیں گے اور آپ کے ساتھ شکار کھیلیں گے۔

اس کے بعد ہم نے سردار سے کہا کہ وہ اوکنڈا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کو اپنی حفاظت میں رکھ لے ۔ واپسی پر ہم اسے لے جائیں گے ۔ سردار نے ہماری بات خوشی سے مان لی اور فوراً اپنی بیوی کو بُلایا ۔ اس کی بیوی کا نام نجامی تھا ۔ سردار نے ہمارے سامنے اوکنڈا کو نجامی کے سپُرد کر دیا اور اس کا خیال رکھنے اور حفاظت کرنے کی ہدایت کی ۔

اس سے میکرارُو کا اطمینان ہوگیا اور اب وُہ پورے اطمینان اور سکون سے ہمارے ساتھ گوریلوں کے شکار کے لیے جا سکتا تھا ۔

یہاں مَیں یہ بتانا بھُول گیا کہ اس ساری کارروائی سے ہم نے اپنے دوسرے ساتھیوں کو بالکل بے خبر رکھا ۔ انہیں ہم نے خالد کے ساتھ پہلے ہی آگے روانہ کر دیا تھا ۔ ان کے جانے کے بعد مَیں، ناصر اور میکرارُو اوکنڈا کو لے کر گاؤں میں آئے تھے ۔

بہر حال ہمارا کام ہوگیا اور ہم نے یوں محسوس کیا جیسے سر سے ایک بہت بڑا بوجھ اتر گیا ہو ۔ ہم پھر آگے چل پڑے ۔

اس واقعے کے آٹھ دن بعد ایک ایسا خوفناک حادثہ پیش آیا جس کی یاد ہمیں مدتوں نہیں بھُولے گی

اس حادثے کا اثر یہ بھی ہُوا کہ ہم اب احتیاط سے کام لینے لگے اور وہ پہلے جو ایک طرح کی لاپرواہی ہم میں پائی جاتی تھی ۔ اسے ہم نے بالکل چھوڑ دیا ۔

ہُوا یہ کہ ایک روز ہم گھنے جنگل میں سے گزر رہے تھے ۔ دوپہر کا وقت تھا اور سخت گرمی پڑ رہی تھی ۔ ہم ایک جگہ ذرا دم لینے کے لیے رُک گئے ۔ کچھ دیر آرام کرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے ہی والے تھے کہ اچانک میکرارو نے ایک طرف اشارہ کیا ۔ ہم نے اس طرف دیکھا ۔ سامنے ایک کھلا میدان تھا اور میدان کے اس پار درختوں کا ایک جھنڈ ۔ اس جھنڈ میں ہمیں ایک زرافے کا سر اور کندھوں کا کچھ حصّہ نظر آیا ۔ ہمیں زرافہ دیکھ کر بے حد خوشی ہوئی ۔ جب سے کہ ہم شکار کے لیے نکلے تھے، اب تک ہمیں کوئی زرافہ نہ ملا تھا یہ پہلا موقع تھا ۔

"جاؤ!" ناصر نے خالد سے کہا ۔ "اور میکرارو کو بھی ساتھ لیتے جاؤ!"

"آج مَیں کچھ زیادہ ہی تھکاوٹ محسوس کر رہا ہوں ۔ مجھ میں تو ہمت نہیں" خالد نے جواب دیا ۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"اچھا! میں جاتا ہوں مگر کسی کو ساتھ نہیں لے جاؤں گا۔" ناصر نے کہا۔ "تم لوگ آگے چلو اور اپنا سفر جاری رکھو۔ شام ہو جائے تو کسی مناسب سی جگہ پر آگ روشن کر لینا میں وہیں آ جاؤں گا اور زرافے کا گوشت بھی لیتا آؤں گا۔"

ہم نے بڑا اصرار کیا کہ ایک آدمی تو اپنے ساتھ لے جاؤ مگر اس نے انکار کر دیا اور اپنی رائفل اور گولیوں کا تھیلا لے کر چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد ہم آگے روانہ ہو گئے مگر جانے کیوں میرے دِل میں رہ رہ کر ایک عجیب اور انجانا سا خوف سر اُٹھانے لگا تھا۔ میں نے بڑی کوشش کی کہ کسی طرح اس خوف سے پیچھا چھڑا لوں مگر ناکام رہا۔

سہ پہر کے کچھ دیر بعد ہم تھک کر چُور ہو گئے اس وقت ہم ایک بڑے خوبصورت علاقے میں سے گزر رہے تھے۔ جنگل کا یہ حصّہ رات گزارنے کے لیے بھی بہترین تھا۔ ہم نے ایک اچھی سی جگہ دیکھ کر سامان اُتارا اور کیمپ لگانا شروع کر دیا۔ اس کے بعد ہم کھانے پکانے میں مصروف ہو گئے

ہمارا خیال تھا کہ ناصر بہت جلد آ جائے گا۔ مگر وقت گزرتا رہا۔ سُورج جھک کر مغرب کی سمت اُونچے درختوں کے پیچھے غروب ہونے لگا۔ سائے لمبے ہو گئے اور تھوڑی دیر کے بعد آسمان پر شفق کے خوبصورت رنگ بکھر گئے اور پھر ہلکا ہلکا اندھیرا چھانے لگا۔ یہ دیکھ کر خالد نہ رہ سکا۔ وہ اُٹھ کھڑا ہوا۔

"ناصر ضرور کسی مشکل میں پھنس گیا ہے۔ اسے اب تک یہاں پہنچ جانا چاہیے تھا۔ میں اس کی تلاش میں جا رہا ہوں۔" اس نے کہا۔

"آپ بالکل ٹھیک کہتے ہیں صاحب۔" میکرارُو نے کہا۔ "یہ علاقہ بے حد خطرناک ہے۔ یہاں نہ صرف خطرناک درندے پائے جاتے ہیں بلکہ وحشی باشندے بھی کثرت سے ہیں۔ مجھے ڈر ہے کہیں ناصر صاحب کسی حادثے کا شکار نہ ہو گئے ہوں۔

میکرارُو کی اس بات پر ہم کانپ اُٹھے۔ اس نے جس شبہے کا اظہار کیا تھا وہ بے جا نہیں تھا اور میکرارُو بھی اس کے ساتھ روانہ ہو گیا۔

"مگر خالد! رات کے وقت ہم اُسے کہاں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تلاش کریں گے؟" میں نے پریشان ہو کر کہا۔

"میکرارُو اس علاقے سے اچھی طرح واقف ہے۔ یہ بہتر سمجھتا ہے کہ ہم کو کس طرف جانا چاہیے۔"

اپنے باقی ساتھیوں کو کیمپ میں چھوڑ کر اور انہیں اچھی طرح ہدایت کر کے کہ وہ کیمپ کے چاروں طرف جلتی ہوئی آگ کو بجھنے نہ دیں، ہم تینوں ناصر کی تلاش میں چل کھڑے ہوئے۔

بھری ہوئی رائفلیں ہمارے ہاتھوں میں تھیں اور ہم ہر لمحے کسی بھی خطرے کا سامنا کرنے کے واسطے بالکل تیار تھے۔ ہم جنگل میں دُور تک نکل آئے۔ کہیں کہیں رُک کر بلند آواز میں ناصر کو پکارا بھی کہ اگر وہ ہماری آواز سن لے تو اس کا جواب دے یا کم از کم یہ جان لے کہ ہم اس کو تلاش کر رہے ہیں۔ مگر کوئی جواب نہ ملا۔

دیر تک ہم جنگل میں بھٹکتے پھرے مگر کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ یکایک ایک کھلی جگہ پر ہمیں کسی کے قدموں کے نشان نظر آئے۔ یہ ایک دلدلی سا علاقہ تھا۔ اس لیے زمین نرم اور بھربھری تھی۔ پھر وہ رات بھی اتفاق سے پونم کی تھی۔ میکرارُو جھک کر نشانوں کو

غور سے دیکھنے لگا۔

"کیا خیال ہے میک؟" خالد نے پوچھا۔

"یہ نشان صاحب!" میکرارُو نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

"یہ نشان ناصر صاحب ہی کے ہیں۔"

"تمھیں یقین ہے؟"

"ہاں صاحب سو فیصد یقین ہے۔" اُس نے جواب دیا۔

"تو پھر وقت ضائع مت کرو اور آگے بڑھو۔"

ہم قدموں کے نشان پر آگے بڑھنے لگے۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک ایسی جگہ پہنچ گئے جہاں زمین قدرے سخت تھی اس لیے یہاں قدموں کے نشان بھی صاف ہو گئے تھے۔

"تمہارا خیال غلط ہے میک۔" خالد نے ان نشانوں کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "ناصر بوٹ پہنے ہوئے تھا مگر یہ نشان تو ننگے پیروں کے ہیں۔ ارے! اور یہ خون کے دھبے .....؟"

"ہاں صاحب! میں جانتا ہوں ناصر صاحب بوٹ پہنے ہوئے تھے مگر پھر بھی یہ نشان انہی کے پیروں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے ہیں اور یہ خون ؟ میرا خیال ہے ضرور انہیں کوئی حادثہ پیش آیا ہے ۔"

زبان سے اور کچھ کہے بغیر ہم تینوں قریب قریب دوڑتے ہوئے ان نشانات کے ساتھ ساتھ آگے بڑھنے لگے ۔ اب جا بجا خون کے دھبّے بھی نظر آنے لگے تھے ۔ مگر وُہ نشان کبھی اِدھر کو چلے جاتے کبھی اُدھر کو ، یوں لگتا تھا جیسے زخمی ہونے والا شخص ڈگمگاتا ہُوا گیا ہو ۔ کچھ اور آگے بڑھنے پر ہمیں آدمی کے پیروں کے نشانوں کے ساتھ ایک گینڈے کے پیروں کے نشانات بھی نظر آنے لگے ۔ ان نشانوں کو دیکھ کر ہم اور بھی خوفزدہ ہوئے اور زیادہ تیزی سے آگے بڑھنے لگے ۔

آخر ہم جھاڑیوں کے اس لمبے چوڑے حصّے سے گزر آئے جو ایک چھوٹے سے میدان کو گھیرے ہوئے تھیں ۔ اسی میدان میں تیس چالیس گز دُور ہمیں کوئی چیز زمین پر پڑی نظر آئی ۔ ہمارے دل خوف سے دھڑک اٹھے ۔ ہم نے رائفلیں سیدھی کریں اور ہماری انگلیاں لبلبی پر ٹک گئیں ۔ ابھی تک ہمیں یہ پتا نہیں چلا تھا کہ وُہ کیا چیز ہے ۔

ہم بڑی احتیاط سے اس کی طرف بڑھ رہے تھے ۔ چند ہی قدم آگے بڑھنے پر ہمیں معلوم ہوگیا کہ وُہ کوئی جانور نہیں بلکہ خون میں نہایا ہوا ناصر ہے ۔

ہم دوڑ کر اُس کے پاس پہنچے ۔ اس کا چہرہ آسمان کی طرف تھا اور رنگ لاش کی طرح سفید ۔ سارا جسم اور لباس لہو اور مٹی میں لتھڑا ہُوا تھا ۔ زمین پر اِردگرد گینڈے کے پیروں کے بے شمار نشان نظر آ رہے تھے ۔ یُوں لگتا تھا جیسے ناصر اور گینڈے میں باقاعدہ مقابلہ ہُوا تھا ۔

خالد جلدی سے گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا اور اس نے ناصر کی قمیض چھاتی پر سے پھاڑ کر اس کے دل پر اپنا ہاتھ رکھ کر دیکھا ۔ وُہ یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ وُہ زندہ ہے یا مر گیا ۔

" خدا کا شکر ہے ۔ ابھی زندہ ہے ۔" خالد نے آہستہ سے کہا ۔ " اِس کے منہ میں پانی ڈالو ۔"

مَیں نے بوتل کا منہ کھولا اور ناصر کے منہ میں تھوڑا تھوڑا پانی چُوانے لگا ۔ خالد اس کے ہاتھوں اور میکرارُو پیروں پر مالش کر رہے تھے ۔ اِس کی چھاتی اور بازوؤں پر گہرے زخم موجود تھے ۔ ران

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تو بُری طرح اُدھڑی ہوئی تھی۔ اس کے علاوہ ا
بھی چھوٹے چھوٹے بے شمار زخم تھے اور بعض
سے تو ابھی تک خون بہہ رہا تھا۔ ہم نے جلدی
رُومال وغیرہ پھاڑ کر زخموں کو باندھا اور پھر اُ
ہوش میں لانے کی تدبیریں کرنے لگے۔

آخر ہماری کوششیں کامیاب ہوئیں۔ مَیں نے اُس کے منہ پر پانی کے چھینٹے دِیے تو اُس نے پہلے تو ہلکی سی آہ بھری پھر ذرا کسمسایا اور ہا
کر آنکھیں کھول دیں۔ اس نے حیرت سے ہماری طرف دیکھا اور بولا۔

"مَیں..... مَیں کہاں ہوں۔ مجھے کیا ہُوا تھا؟"

"کچھ نہیں ہُوا دوست! آرام سے لیٹے رہو۔ ہلنے جلنے کی کوشش مت کرو۔ اور لو یہ تھوڑا سا پانی اور پی لو۔"

ناصر نے پانی کے چند گھونٹ اور پیے۔ "آہ" اس نے درد سے بے تاب ہو کر کہا۔ "ہاں۔ مجھے یاد آیا ۔ گینڈا ۔ تم نے اسے مار دیا کہ نہیں۔ اُف خدایا! کتنا خوفناک جانور تھا۔ اس نے تو مجھے ما
ہی ڈالا تھا۔ مَیں نے اس پر بڑا اچھا فائر کیا تھا

گولی بالکل نشانے پر لگی تھی۔ مگر وُہ مرا نہیں، اُلٹا مجھ پر حملہ کر کے شدید زخمی کر دیا۔"

یہ کہہ کر وُہ ایک بار پھر بے ہوش ہو گیا اور اس کے چہرے پر زردی پھیل گئی۔ ہم نے پھر اس کے ہاتھ پیر ملے اور چہرے پر پانی کے چھینٹے دیے۔ آخر کچھ دیر کے بعد اس نے آنکھیں کھول دیں۔

"میرے زخموں کو دیکھو۔ خون تو نہیں بہہ رہا؟ انہیں اچھی طرح سے باندھ دو۔ میرا پہلے ہی بہت سا خون نکل چکا ہے۔" ناصر نے کمزور سی آواز میں کہا۔

اتنی دیر میں خالد اور میکرارُو نے ایک درخت کی دو موٹی موٹی شاخیں کاٹ لی تھیں۔ ہم نے اپنے کوٹ اُتار کر شاخوں میں باندھے اور اس کا سٹریچر بنا لیا۔ اِس کے بعد ناصر کو اٹھا کر سٹریچر پر ڈالا اور اُسے کیمپ میں لے آئے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جان جوکھوں کا سفر

اب تک ہم جان بُوجھ کر آبادیوں سے ہٹ کر چل رہے تھے۔ اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ ہمیں ان وحشی قبیلوں سے نقصان پہنچنے کا خطرہ بھی تھا۔ اور کچھ نہ سہی اگر وہ ہمارا سامان ہی چھین لیتے تو بھی ہمارے لیے مشکل پیدا ہو سکتی تھی۔ مگر اب چونکہ ناصر کی حالت خراب تھی اس لیے ہم نے ارادہ کیا کہ راستے میں اگر کوئی گاؤں آیا تو وہاں اس وقت تک ٹھہریں گے جب تک کہ ناصر کے زخم ٹھیک نہ ہو جائیں۔ خون زیادہ بہہ جانے کی وجہ سے وہ بہت کمزور ہو گیا تھا۔

اگلی صُبح ہم پھر آگے چل پڑے۔ اتفاق دیکھیے کہ اسی شام کو ہم ایک گاؤں میں پہنچ گئے۔ دُوسرا اتفاق یہ ہُوا کہ بستی کے قبیلے کا سردار، جبائی کا رشتے دار نکل آیا۔ وہ ایک غلام کی پیٹھ پر سوار ہو کر گاؤں سے باہر آیا اور بڑی محبّت سے ہم سے ملا۔ اس نے فوراً ہمارے لیے ایک جھونپڑی خالی کرا دی اور ہماری ضروریات کا سارا سامان اِس میں رکھوا دیا۔ ایک دو لڑکے بھی خدمت کے لیے دے دیے۔ کھانے کے لیے اس نے دو مُرغابیاں، ہرن کا گوشت اور کچھ دُودھ بھیج دیا تھا۔

اس قبیلے کے کسی آدمی نے اس سے پہلے کسی غیر مُلکی کو نہیں دیکھا تھا۔ ہمیں دیکھ کر وُہ بہت حیران ہوئے اور سارا قبیلہ ہمیں دیکھنے کے لیے اُمڈ آیا۔ وہ ہماری جھونپڑی کے گرد کچھ فاصلے پر کھڑے ہمیں عجیب عجیب نظروں سے دیکھتے اور آپس میں باتیں کرتے رہے۔ یہ سلسلہ رات گئے تک جاری رہا۔

اس بستی میں ہم تین ہفتے رہے۔ اس دوران میں ناصر کے زخم ٹھیک ہو گئے اور اس کی کھوئی ہوئی طاقت بھی آہستہ آہستہ واپس آ گئی۔ مَیں اور خالد باری باری اس کی دیکھ بھال کرتے رہے۔ ہم میں سے ایک اس کے پاس رہتا اور دُوسرا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جنگلوں میں شکار کی تلاش میں چلا جاتا کیونکہ ہم خوراک کے لیے اپنے میز بانوں پر بوجھ بننا پسند نہ کرتے تھے۔

ایک روز ہم آپس میں بیٹھے اِدھر اُدھر کی گپیں ہانک رہے تھے کہ میکرارُو جھونپڑی میں داخل ہُوا۔

"صاحب"! اس نے کہا۔" سردار کہتا ہے کہ جب آپ کا ساتھی تندرست ہو جائے اور آپ اپنے سفر پر جانے لگیں تو پہلے اُسے بتا دینا۔ وُہ آپ کی سواری کے لیے بَیلوں کا انتظام کر دے گا۔"

"سواری کے لیے ؟ — بیلوں کا انتظام ؟"

ہماری ہنسی نکل گئی۔ میکرارُو بھی مسکرا دیا۔

"کبھی بیلوں پر بھی کسی نے سواری کی ہے ؟" ناصر نے کہا۔

"ہاں صاحب ! یہ لوگ کرتے ہیں۔" اُس نے جواب دیا۔

"ویسے ایک بات ہے"۔ مَیں نے کہا۔" ہمیں تحفہ قبول کر لینا چاہیے۔ کیونکہ ہمارے راستے میں ایک صحرا آئے گا۔ اُس صحرا کو پار کرنے میں یہ بیل ہمیں مدد دیں گے۔"

"خیال تو بہت اچھا ہے"۔ خالد نے بھی میری ہاں میں ہاں ملائی۔

"جاؤ مَیک۔ سردار سے کہنا کہ ہمیں آپ کا تحفہ شکریے کے ساتھ قبول ہے۔ ہم بَیل اپنے ساتھ لے جائیں گے۔"

جس روز ہمیں روانہ ہونا تھا، سردار نے وعدے کے مطابق ہمیں تین بیل بھیج دیئے۔ وہ بڑے ہٹے کٹے بیل تھے۔ ان کے سینگ لمبے اور آنکھیں کالی کالی تھیں۔ ہم انہیں دیکھ کر خوب ہنسے۔

"ناصر پسند کر لو۔ کون سے بیل پر سوار ہو گے۔" خالد نے مذاق سے پوچھا۔

"نہ بھئی۔ مَیں تو بیمار آدمی ہوں۔ پہلے تم ان پر سوار ہو کر دیکھو۔ جو سب سے شریف بیل ہو گا وہ مجھے دے دینا۔" ناصر نے جواب دیا۔

خالد ایک بیل پر سوار ہونے کی کوشش کرنے لگا۔ مگر وہ بیل بڑا تیز نکلا۔ اس نے خالد کو اپنے اوپر سوار نہ ہونے دیا۔ خالد بولا۔

"مَیک! اِسے پکڑ کر رکھو۔ مَیں دُور سے بھاگ کر آؤں گا اور اُچھل کر اس پر سوار ہو جاؤں گا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میکارڈو نے بیل کو پکڑ لیا۔ خالد دُور سے دوڑتا ہُوا آیا اور اُچھل کر اس کی پیٹھ پر سوار ہو گیا۔ اس کے اوپر بیٹھنے کی دیر تھی کہ بیل نے اُچھلنا کُودنا شروع کر دیا۔ وہ کبھی اِس طرف کو بھاگتا کبھی اُس طرف کو۔ اس نے خالد کو گرانے کی بہت کوشش کی مگر وُہ مضبوطی سے اس کی پیٹھ پر جما رہا۔

یکایک بیل منہ اٹھا کر ایک طرف کو بھاگ نکلا راستے میں ایک درخت تھا جس کی ایک شاخ نیچی تھی۔ بیل اس شاخ کے نیچے سے گزرا اور اِس سے پہلے کہ خالد سنبھلتا، وُہ شاخ کے ساتھ ٹکرا گیا۔ بیل تو آگے نکل گیا اور خالد صاحب پیٹھ کے بل زمین پر پڑے ہوئے تھے۔

اس کے بعد خالد نے دُوسرے بیل کو آزمایا وہ بھی خاصا تیز تھا مگر پہلے جتنا نہیں۔ تیسرا بیل کچھ شریف تھا اس نے خاموشی سے خالد کو اپنی پیٹھ پر بٹھا لیا۔ یہ بیل ہم نے ناصر کو دے دیا۔ سردار سے اجازت لے کر ہم اپنے سفر پر روانہ ہو گئے۔ ہم بیلوں پر سوار تھے اور ہمارا سامان مزدُوروں کے سروں پر تھا۔ گاؤں سے باہر نکلنے کے بعد بیلوں

نے ہمیں تنگ کرنا شروع کر دیا۔ میرے اور خالد کے بیل کی یہ کوشش تھی کہ کسی طرح ہمیں گرا کر بھاگ جائیں۔ ایک جگہ پہنچ کر تو دونوں کے دونوں رُک گئے اور آگے بڑھنے سے انکار کر دیا۔ ہم نے بہتیرا پُچکارا مگر بات نہ بنی۔ بڑا غصہ آیا۔ آخر ایک درخت سے چھڑیاں توڑ کر خُوب ان کی پٹائی کی۔ مار کھا کر وُہ آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگے۔ مگر ان کے دِل نہیں چاہ رہے تھے۔

کچھ دُور چل کر دونوں بیل ٹھیک ہو گئے۔ اور انھوں نے تنگ کرنا کم کر دیا۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ بیل کی سواری سے خراب سواری شاید ہی دنیا میں کوئی ہو۔

اب ہمارے سفر کا انتہائی خوفناک اور خطرناک حصہ شروع ہوا۔ یہ صحرائی علاقہ تھا۔ میلوں تک ریت کا سمندر لہریں مارتا ہوا نظر آتا تھا۔ پھر سخت گرمی اور لُو۔ ایک اور مصیبت یہ آن پڑی کہ ہمارے پاس پانی کم ہو گیا۔ خاص طور پر بیلوں کو پلانے کے لیے۔ بے چارے بے زبان جانوروں کو پانی کے بغیر اس جہنم کی طرح تپتے ہوئے ریگستان میں سفر کرنا پڑا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہم پانی بڑی کنجوسی سے استعمال کرتے تھے۔ دن بھر میں بس دو تین بار چند ایک گھونٹ پی لیتے۔ مگر ان گھونٹوں سے بھی پیاس بجھنے کی بجائے اور بھڑک اُٹھتی۔ جانوروں کا تو بُرا حال تھا اور ہمیں اندیشہ تھا کہ کہیں پانی کے بغیر وُہ سِسک سِسک کر دَم نہ توڑ دیں۔

اسی طرح کئی دن گزر گئے اور ہم گرتے پڑتے سفر کرتے رہے۔ ایک روز ہمیں ریگستان میں بہت سے جانوروں کے قدموں کے نشانات دکھائی دیے ناصر نے ایک حبشی مزدُور کا سامان لے کر اپنے بیل پر رکھ لیا اور اسے آگے جاکر پانی کا پتا کرنے کو کہا۔ ہمارا خیال تھا کہ یہ جانور ضرور کہیں آس پاس کِسی جگہ پانی پینے کے لیے جاتے ہوں گے۔ حبشی تو آگے روانہ ہوگیا اور ہم آہستہ آہستہ اِس کے پیچھے۔

کوئی ایک گھنٹے کے بعد ہمیں وُہ مزدُور تیزی سے واپس آتا نظر آیا۔ اس کا چہرہ خوشی سے تمتما رہا تھا۔ اس نے بتایا کہ کچھ دُور پانی کا ایک تالاب ہے۔

یہ خبر سُن کر ہمیں جو خوشی ہوئی ہوگی اس کا اندازہ

آپ خود ہی کر سکتے ہیں۔ ہم تیزی سے تالاب کی طرف چلے۔ تھوڑی دُور جانے کے بعد شاید کئی دن کے پیاسے جانوروں نے بھی پانی کی بُو سونگھ لی۔ اُنھوں نے منہ اُٹھا اُٹھا کر چند ایک بار ہوا میں سُونگھا اور پھر سرپٹ بھاگ اُٹھے۔ اُن کا رُخ ٹھیک تالاب ہی کی طرف تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد ہمیں تالاب کا پانی چمکتا نظر آ گیا۔ بیلوں کی رفتار اور بھی تیز ہو گئی۔

تالاب کے قریب پہنچ کر ہم نے بہتیری بیلوں کی رسیاں کھینچیں۔ مگر بے سود، خالد نے تو ایک طرف چھلانگ لگا دی اور کنارے پر گِر پڑا مگر میرا بیل جو بہت تیز و طرار تھا، ایک دم تالاب میں جا گھُسا اور گردن گردن پانی میں مجھے لے گیا۔ مَیں بالکل بھیگ گیا اور تیرتا ہُوا باہر نکلا۔ اتنی دیر میں ہمارے باقی ساتھی بھی آن پہنچے۔ اُنھوں نے میرا حال دیکھ کر خوب قہقہے لگائے اور تالیاں بجائیں

ہمیں پانی کیا ملا، یوں لگا جیسے آبِ حیات کا چشمہ مِل گیا ہو۔ سب نے جی بھر کے پانی پیا اور چھاگلیں پانی سے بھر لیں۔ پھر خوب نہائے دھوئے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بیلوں نے تو پانی اتنا پیا، اتنا پیا کہ ان کے پیٹ جو پہلے سوکھ کر اندر گھس گئے تھے، مشکوں کی طرح پھول گئے۔ پھر وہ دیر تک پانی کے اندر کھڑے چھینٹے اُڑاتے رہے۔ اس کے بعد جھومتے ہوئے باہر نکلے۔ اِن سے اب چلا بھی نہ جا رہا تھا۔

پانی کا ذخیرہ لے کر ہم پھر آگے چل پڑے۔ اور جب رات ہوئی تو ایک جگہ پڑاؤ ڈال دیا۔ یہاں راتوں رات ہمارے تینوں بیل زہریلی مکھیوں کے کاٹنے سے ہلاک ہو گئے۔

افریقہ کے بعض حصوں میں ایک خاص قسم کی مکھی پائی جاتی ہے۔ یہ مکھی عام گھریلو مکھیوں سے بڑی نہیں ہوتی مگر بلا کی زہریلی ہوتی ہے۔ جس جانور کو کاٹ لے اس کا زندہ بچنا مشکل ہو جاتا ہے مگر حیرت کی بات یہ ہے کہ اگر انسانوں یا درندوں کے کاٹے تو ان پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔

جس جانور کے یہ مکھیاں کاٹ لیں اسے دو تین دن تو کوئی خاص تکلیف نہیں ہوتی مگر اس کے بعد اس کے ناک اور منہ سے زہریلا مادّہ نکلنے لگتا ہے منہ اور جبڑے سوج جاتے ہیں۔ اور جانور کئی روز بیمار

رہنے کے بعد مر جاتا ہے۔ ہمارے بیلوں کے ان مکھیوں نے کب کاٹا؟ اس کا تو ہمیں علم نہیں۔ ہاں جب ان کی بیماری شروع ہوئی تو ہمیں پتا چلا۔ اس وقت ہم ایک سرسبز علاقے سے گزر رہے تھے۔ ہمیں یہ اچھی طرح علم ہو گیا تھا کہ اب ان بیلوں کے دن پورے ہو چکے ہیں۔ اس لیے ہم نے انہیں اسی علاقے میں چھوڑ دیا اور خود آگے بڑھ گئے۔ گھاس اور پانی کی وہاں اِفراط تھی۔ ہم نے سوچا چلو جب تک یہ جئیں گے، کم سے کم انہیں کھانے پینے کو تو ملتا رہے گا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گوریلے

اور آخر ایک روز ہم افریقہ کے اس علاقے میں پہنچ گئے جس کے بارے میں ہمیں بتایا گیا تھا کہ وہاں گوریلے رہتے ہیں۔ یہ ایک گھنا جنگل تھا۔ ہم کئی روز تک گوریلوں کی تلاش میں مارے مارے پھرتے رہے مگر ان کا کوئی نشان نہ ملا۔ حیرانی کی بات یہ تھی کہ کوئی شیر بھی نہیں ملا۔ بعد میں معلوم ہُوا کہ گوریلوں نے شیروں کو مار مار کر یہاں سے نکال دیا ہے۔

سینکڑوں میل کا سفر کرنے اور ہزاروں تکلیفیں سہنے کے بعد ہم یہاں تک جس مقصد کے لیے آئے تھے وہ پورا ہوتا نظر نہ آ رہا تھا بلکہ اب تو یوں محسوس ہونے لگا جیسے اس دُنیا میں گوریلوں کا کوئی وجود ہی نہیں۔

مگر ہماری یہ مایوسی زیادہ دیر تک نہ رہی۔ ایک روز اچانک جنگل میں ہمیں ایک گوریلے کے پیروں کے نشان مل گئے۔ ہمیں اس قدر خوشی ہوئی کہ بیان سے باہر ہے۔ یوں لگا جیسے ساری دنیا کے خزانے مل گئے ہوں۔ ہم ان نشانوں کے گرد بیٹھ گئے۔ مزدُوروں کے چہرے بھی خوشی سے چمک رہے تھے۔

گوریلے کے پیروں کے نشان انسان کے پیروں سے ملتے جلتے تھے۔ اس سے ہم نے اندازہ لگایا کہ گوریلا شکل و صورت میں بھی انسان سے ملتا جُلتا ہوگا۔ اب ہم جلد سے جلد کسی گوریلے کو دیکھنا چاہتے تھے۔

"آخر ہم اپنے مقصد میں کامیاب ہو ہی گئے نا۔" مَیں نے ان نشانوں کے اُوپر سے ایک سُوکھی ہوئی ٹہنی ہٹاتے ہوئے کہا۔

"یہ نشان معلوم نہیں نئے ہیں یا پُرانے؟" ناصر نے پوچھا۔

"صاحب! یہ زیادہ پُرانے نہیں۔" مُیکرارُو نے جواب دیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہم نے حیران ہو کر اُس کی طرف دیکھا۔ "تمہیں کس طرح پتا چلا کہ یہ پُرانے نہیں ہیں؟" خالد نے پوچھا۔

"مَیں ان نشانوں کو دیکھ رہا ہوں نا۔" میکرارُو نے جواب دیا۔ اس پر ایک زور دار قہقہہ پڑا۔

"ارے بھئی، دیکھ تو تم رہے ہو مگر کیا دیکھ رہے ہو؟" ناصر نے پوچھا۔ "میرا مطلب ہے کہ یہ نتیجہ تم نے کس طرح نکالا؟"

"دیکھیے نا، اس پر یہ ایک چھوٹی سی ٹہنی ٹوٹی پڑی ہے جو گوریلے کے پیر تلے آکر ٹوٹی ہوگی۔ اب اس ٹوٹی ہوئی ٹہنی کو غور سے دیکھیے۔ جہاں سے یہ ٹوٹی ہے وُہ جگہ ابھی سفید اور صاف ہے۔ اگر یہ زیادہ دیر کی ٹوٹی ہوئی ہوتی تو اس پر مٹی جم جاتی۔"

"بہت تیرے کی۔" ناصر نے شرمندہ ہو کر کہا۔

"ہم سے تو یہ جاہل ہی عقلمند نکلا۔"

"عِلم پڑھنے سے نہیں آتا، تجربے سے آتا ہے۔" مَیں نے سَر ہلا کر کہا۔

"اب ہمیں وقت نہیں ضائع کرنا چاہیے اگر نشان پُرانے نہیں ہیں تو اس کا مطلب ہے کہ گوریلا زیادہ دُور نہیں گیا ہوگا۔" ناصر نے کہا۔

اس پر سب نے اتفاق کیا۔ ہم نے اپنے آدمیوں کو اُسی جگہ کیمپ لگا کر انتظار کرنے کی ہدایت کی اور خود گوریلے کی تلاش میں آگے چل پڑے۔

جنگل کا یہ حصّہ جہاں ہمیں گوریلے کے قدموں کے نشان ملے تھے، بہت گھنا اور دشوار گزار تھا۔ جگہ جگہ جھاڑیاں اُگی ہوئی تھیں۔ کہیں کہیں سخت پتھریلی زمین تھی جس پر چلنا مشکل معلوم ہو رہا تھا۔ پھر آگے چل کر جنگل اس قدر گھنا ہو گیا کہ سورج کی روشنی بھی مشکل سے زمین تک پہنچتی تھی۔ عجب پُراسرار اور خوفناک منظر تھا۔ چاروں طرف ہُو حق اور سناٹا۔ کبھی کبھی کسی بندر کی خُوں خُوں یا کسی پرندے کی چہچہاہٹ اس خاموشی کو توڑ دیتی تھی۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ یہاں ہمیں بندروں کے علاوہ کوئی دُوسرا جانور بھی نظر نہیں آیا۔ شاید گوریلوں نے انہیں بھی بھگا دیا تھا۔

ہم رائفلیں ہاتھوں میں لیے بڑی احتیاط سے آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہے تھے۔ کچھ تو جنگل گھنا تھا اور کچھ یہ خیال کہ معلوم نہیں کب اور کہاں گوریلے کا سامنا ہو جائے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چلتے چلاتے ہم ایک ایسی جگہ آن پہنچے، جہاں اتنی گھنی جھاڑیاں تھیں کہ ہمارے لیے چلنا دُوبھر ہوگیا۔ ہم جھاڑیوں سے بچ بچ کر بڑی مشکل سے آگے بڑھے۔ یہاں ہمیں گوریلے کی طاقت کا کچھ اندازہ ہُوا۔ اس نے بھی ادھر سے گزرتے وقت دقّت محسُوس کی ہوگی۔ اسی لیے اس نے کچھ جھاڑیاں جڑ سے اُکھاڑ پھینکی تھیں بلکہ بعض چھوٹے موٹے درختوں کو بھی یوں توڑ ڈالا تھا جیسے ہم کوئی تِنکا توڑ دیتے ہیں۔

بڑی احتیاط اور ہوشیاری سے جھاڑیوں میں سے گزرتے ہوئے آخر ہم ایک ایسی جگہ پہنچے، جہاں درختوں کے نیچے دُور دُور تک بڑی بڑی چٹانیں بکھری ہوئی تھیں۔ جب ہم ان چٹانوں سے گزر رہے تھے تو اچانک ایک جگہ میکرارُو رُک گیا۔ ہم بھی رُک گئے اور اِدھر اُدھر دیکھنے لگے مگر ہمیں کچھ نظر نہ آیا۔

"کیا بات ہے میک؟" ناصر نے پُوچھا۔

اس نے بجائے کوئی جواب دینے کے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر ہمیں خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

اور وُہ کان لگاکر کوئی آواز سُننے کی کوشش کرنے لگا۔ وہ بار بار اپنے نتھنے پھُلاکر ہوا میں کچھ سُونگھنے کی بھی کوشش کرتا تھا۔ ہم خاموش کھڑے رہے اچانک ہمیں ایسی آوازیں سنائی دیں جیسے کسی بھاری بھرکم جانور کے پیروں تلے شاخیں ٹوٹ رہی ہوں۔

"گوریلا"۔ میکرارُو نے آہستہ سے کہا۔

ہم نے ایک دُوسرے کی طرف ایسی نظروں سے دیکھا۔ جن میں خوشی اور ڈر دونوں شامل تھے۔

"اب کیا کریں؟" ناصر نے پوچھا۔

"ہمیں چُپ چاپ آگے بڑھنا چاہیے۔ ذراسا کھٹکا تک نہ ہو۔ اگر گوریلے نے آواز سُن لی تو یا تو بھاگ جائے گا اور یا اچانک ہم پر حملہ کردے گا۔"

اب میکرارُو ہمارے آگے آگے تھا اور ہم اُس کے پیچھے پیچھے۔ آخر کار ہم اس جگہ آ گئے۔ جہاں سے شاخیں ٹوٹنے کی آواز بالکل قریب ہی سُنائی دے رہی تھی۔ جیساکہ مَیں اُوپر بتا چکا ہوں، جنگل کا یہ حصّہ بے حد گھنا تھا اور چند قدم دُور کی چیز بھی صاف دکھائی نہ دیتی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"یہ آوازیں کیسی ہیں؟" ناصر نے پوچھا۔

"گوریلا درختوں کی شاخیں توڑ رہا ہے۔ وہ پتّے کھا لیتا ہے اور شاخیں پھینک دیتا ہے۔"

جس طرف سے آوازیں آ رہی تھیں ہم اُدھر غور سے دیکھنے لگے۔

"ان جھاڑیوں کے درمیان میں دیکھو وہ سامنے بھُورے سے رنگ کی کیا چیز ہے؟" خالد نے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

ہم نے اُس طرف کو دیکھا۔ واقعی کچھ فاصلے پر درختوں کے درمیان ایک جگہ کوئی بھُوری سی چیز دکھائی دے رہی تھی۔

"یہ کیا ہے؟" مَیں نے پوچھا۔

"میرا تو خیال ہے یہ گوریلا ہے۔" ناصر بولا۔

"فائر کیجیے۔" میکرارُو نے کہا۔

"لیکن اگر گولی ٹھیک نشانے پر نہ لگی تو؟" ناصر نے جھجکتے ہوئے کہا۔

"کم سے کم زخمی تو ہو جائے گا۔" میکرارُو نے جواب دیا۔

"گوریلا زخمی ہو کر بھاگتا نہیں بلکہ غصّے میں بھر کر

دُشمن پر پل پڑتا ہے۔"

"اگر یہ بات ہے تو پھر۔" خالد نے کہا۔

ہم نے اپنی رائفلیں سیدھی کر لیں۔

"خالد تم گولی چلاؤ۔ تمہارا نشانہ اچھا ہے۔" ناصر نے کہا۔ "اگر ضرورت پڑی تو ہم تمہاری مدد کریں گے۔"

"اچھا۔" یہ کہہ کر خالد نے رائفل کندھے تک اُٹھائی، احتیاط سے نشانہ لیا اور گولی چلا دی۔

مَیں نے جنگل کے ایک ایک جانور کی آواز سُنی ہے۔ شیر کی گرج، ہاتھی کی چنگھاڑ، چیتے کی دھاڑ اور بلیوں دوسرے خوفناک درندوں اور جانوروں کی آوازیں، مگر یقین کیجیے، گولی چلنے کے فوراً بعد جو آواز سُنی، ویسی خوفناک اور دِل دہلا دینے والی آواز کسی جانور کی نہیں۔ شیر کی گرج بھی جو جنگل کے جانوروں کے پتّے پانی کر دیتی ہے، اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ وہ بڑی ہی خوفناک گرج یا چنگھاڑ تھی۔ جیسے دو پہاڑ آپس میں ٹکرا گئے ہوں۔ ہمارے دِل دہل گئے۔ وہ آواز صِرف ایک مرتبہ ہی نہیں۔ بار بار آتی رہی۔ سارا جنگل گُونج اُٹھا اور ہمیں محسوس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہونے لگا کہ آج ہمارے کانوں کے پردے پھٹ جائیں گے۔ ہمارا خیال تھا کہ گولی لگتے ہی گوریلا ہم پر حملہ کر دے گا مگر کئی منٹ گزر گئے اور کچھ بھی نہیں ہُوا۔

"آؤ!" ناصر نے چلّا کر کہا۔ "اگر وُہ ہم پر حملہ نہیں کرتا تو ہم خود ہی اُس پر حملہ کرتے ہیں۔"

ہم جلدی سے ناصر کے پیچھے لپکے اور جھاڑیوں سے گذر کر چند لمحوں کے بعد ایک ذرا کھُلی سی جگہ پر آ گئے۔ وہاں ہم نے پہلی مرتبہ افریقہ کا وہ پُراسرار جانور دیکھا جس کی تلاش میں ہم اتنی دُور سے آئے تھے۔

وُہ زمین پر بیٹھا زور زور سے چیخ رہا تھا اور اپنے پنجوں سے مٹی اُکھاڑ اُکھاڑ کر پھینک رہا تھا۔ ہم جھاڑیوں کی اوٹ سے یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے۔ مٹی اُکھاڑتے اُکھاڑتے وُہ ایک دَم چھاتی پیٹنے لگتا اور ایسے لگتا جیسے ڈھول بج رہا ہو۔ شاید خالد کی گولی نے اس کی کمر توڑ ڈالی تھی۔ اسی لیے اُس سے اُٹھا نہیں جا رہا تھا۔

یکایک ناصر جھاڑیوں کو ہٹا کر آگے بڑھا۔

کے ساتھ ہی گوریلے نے گردن موڑ کر دیکھا۔ ہمیں دیکھتے ہی اس کے غصّے اور جوش کی کوئی انتہا نہ رہی۔ وُہ اتنی زور سے چیخا کہ ہم لرز کر رہ گئے۔ پھر وُہ غصّے کے عالم میں اُٹھا اور چاہا کہ ہماری طرف بڑھے، اُس کا دھڑ ایک طرف کو ڈھلک گیا اور وہ دوبارہ زمین پر گر گیا۔ اِس وقت اس کے غصّے اور بے بسی کا منظر دیکھنے والا تھا۔ کبھی دونوں ہاتھوں سے زمین کھُرچتا اور کبھی آس پاس کی جھاڑیوں کو نوچنے لگتا۔ آخر وہ رہ نہ سکا اور چاروں پنجوں پر بڑی مشکل سے چلتا ہُوا ہماری طرف بڑھا۔

"ہوشیار!" مَیں نے چلّا کر کہا۔ ناصر پہلے ہی سے ہوشیار تھا۔ وُہ گوریلے کو آتے ہُوئے دیکھتا رہا اور جونہی وُہ اُس کے قریب آیا، اُس نے رائفل سیدھی کی، نشانہ لیا اور گولی چلا دی۔ گولی گوریلے کی چھاتی کو چھیدتی ہوئی نکل گئی اور افریقہ کے جنگلوں کا شہنشاہ مُردہ ہو کر ہمارے قدموں میں گر گیا۔

مُردہ گوریلا ہمارے سامنے پڑا تھا اور ہمارے دِل خوشی سے دَھک دَھک کر رہے تھے۔ ہم نے اس جانور کو شکار کیا ہے جس کے نام ہی سے بڑے بڑے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شکاری کانوں کو ہاتھ لگاتے ہیں اور جو شیر جیسے خونخوار درندے کو بھی خاطر میں نہیں لاتا۔ واقعی جیسا کہ ہم نے سُنا تھا وُہ انسان سے بہت ملتا جُلتا تھا۔ اگر اس کے جسم پر لمبے لمبے بال نہ ہوں تو آپ زیادہ سے زیادہ اِسے جنگلی انسان ہی سمجھیں گے۔

اس گوریلے کا قد 5 فٹ 6 انچ، چھاتی 4 فٹ 2 انچ اور بازوؤں کی لمبائی 7 فٹ 2 انچ تھی۔ اس کے جسم میں سب سے عجیب چیز ایک تو اس کے لمبے لمبے بازو تھے اور دوسرے اس کے پچھلے پیروں کے انگوٹھے۔ ہم نے انگوٹھا ناپ کر دیکھا تو وہ پونے چھ انچ لمبا نکلا۔

ہم نے فیصلہ کیا کہ میکرارُو کو بھیج کر حبشی مزدوروں کو بھی یہیں بُلوا لیں اور یہیں اپنا کیمپ لگائیں۔ میری خواہش تھی کہ مَیں گوریلے کی کھال اُتار کر اپنے پاس رکھوں۔ کیونکہ یہ شکاری زندگی کی ایک یادگار چیز تھی۔ جب میکرارُو مزدُوروں کو بُلانے کے لیے چلا گیا تو ناصر نے کلہاڑا اٹھایا اور رات کو جلانے کے لیے لکڑیاں کاٹنے لگا۔ اور مَیں نے کھال اُتارنے کا کام شروع کر دیا۔

رات کو دُوسرے تو سب آرام سے سو گئے اور مَیں اپنے کام میں لگا رہا۔ سوتے میں خالد اور ناصر کی حرکتیں دیکھنے والی تھیں۔ مَیں نے آگ کی روشنی میں ان کے چہرے بنتے بگڑتے دیکھے۔ وُہ کبھی بڑبڑاتے، کبھی ہاتھوں کو ہلاتے اور کبھی مٹھیاں بھینچتے۔ شاید خواب میں بھی وُہ گوریلوں کا شکار کر رہے تھے۔ میرا اندازہ واقعی درست نکلا۔ دُوسرے روز جب مَیں نے پُوچھا تو اُنہوں نے بتایا کہ واقعی وُہ رات بھر گوریلوں سے لڑتے رہے ہیں۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گوریلوں کا سردار

اگلا دن بھی ہماری شکاری زندگی کا ایک یادگار دن تھا کیونکہ اس روز ہم نے کم سے کم دس گوریلے دیکھے۔ دو مادہ، چھ نوجوان نر۔ ایک بچّہ جو اپنی ماں کی گود میں تھا۔ اور ایک جوان، لمبا تڑنگا گوریلا ان میں سے ہم نے چار کو شکار کیا۔ بچّے اور اس کی ماں کی جان مَیں نے بچائی ورنہ میرے ساتھی تو انہیں بھی ہلاک کرنا چاہتے تھے۔ اب اس شکار کی تفصیل سنیے۔

صبح کو کھانے پینے سے فارغ ہو کر ہم نے اپنی رائفلیں اٹھائیں اور چل پڑے۔ دوپہر کے وقت ہم ایک ایسی جگہ پہنچے جہاں جنگلی انگوروں کی بہت سی بیلیں تھیں۔ گوریلے ان بیلوں کے پتے بڑے شوق سے کھاتے ہیں۔ ہمیں گوریلے کے پیروں کے نشانوں کی تلاش تھی۔ جلد ہی ہمیں بہت سے نشان مل گئے اور اس سے ہمیں اندازہ ہو گیا کہ تھوڑی دیر پہلے ہمارا شکار یہاں آیا تھا۔ ہم وہاں رُکے نہیں بلکہ نشانات کو دیکھتے ہُوئے آگے بڑھ گئے۔ اور کچھ دیر کے بعد ہم ایک کھلی جگہ پر پہنچے۔ یہاں ہم یہ فیصلہ کرنے کے لیے کچھ دیر رُکے کہ ہمیں اور آگے بڑھنا چاہیے یا یہیں بیلوں کے قریب ان کے واپس آنے کا انتظار کرنا چاہیے۔

آخر فیصلہ یہ ہُوا کہ یہاں رُک کر انتظار کرنے کی بجائے آگے چلا جائے۔ جس جگہ ہم کھڑے تھے، وہاں سے آگے ایک میدان تھا جس میں گھاس اُگی ہوئی تھی۔ اور اس سے پرے پھر گھنا جنگل تھا۔ ہمارا خیال تھا کہ گوریلوں کی تلاش اسی جنگل میں کی جائے۔ کیونکہ قدموں کے نشانات کا رُخ اِسی طرف تھا۔

چند لمحے آرام کرنے کے بعد ہم اُٹھے، رائفلیں کندھوں پر ڈالیں اور چل پڑے۔ جنگل کا وُہ حِصّہ بھی اگرچہ خاصا گھنا تھا مگر اتنا دُشوار گزار نہ تھا۔ ہم بڑی احتیاط سے جھاڑیوں اور گھاس میں سے گزرتے ہوئے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آگے بڑھ رہے تھے کہ اچانک ایک جگہ ہمیں گوریلے کی چیخ سنائی دی۔ ہم نے جلدی سے رائفلیں اتار کر ہاتھوں میں لے لیں اور اس طرف بڑھے، جدھر سے آواز آئی تھی۔

تھوڑی دُور جا کر ہم نے دیکھا کہ ایک مادہ گوریلا اور چار نوجوان گوریلے انگوروں کی بیلوں کے پتّے کھا رہے ہیں۔ ہم نے جھاڑیوں کی اوٹ سے انہیں دیکھ لیا تھا مگر انہوں نے ہمیں نہیں دیکھا۔ ہم جس جگہ کھڑے تھے وہاں سے اچھّی طرح نشانہ نہیں لیا جا سکتا تھا، اِس لیے ہم نے کچھ اور قریب ہو کر گولی چلانے کا فیصلہ کیا

سب سے آگے خالد تھا، اس کے پیچھے ناصر اس کے بعد میکرارُو اور آخر میں مَیں۔ خالد کو آگے اس لیے رکھا جاتا تھا کہ اس کا نشانہ سب سے اچھّا تھا۔ خالد کے بعد اچھّا نشانچی ناصر تھا اس لیے دوسرا نمبر اس کا ہوتا۔ اس کے بعد میکرارُو ہوتا مگر اس لیے نہیں کہ وہ مجھ سے بہتر نشانچی تھا بلکہ اس لیے کہ وُہ خطرے کے وقت گھبرا جاتا تھا۔ اس کا دھیان رکھنے کے لیے مجھے اُس کے پیچھے رکھّا جاتا تھا کہ جُوں ہی وُہ کوئی

غلط حرکت کرے، مَیں اس کو پکڑ لوں۔

جب ہم ایسی جگہ پہنچ گئے۔ جہاں سے ہم آسانی سے نشانہ لے سکتے تھے تو رُک گئے۔ خالد اور ناصر نے رائفلیں اُٹھائیں، نشانے لیے اور گھوڑے دبا دیے۔ گولیاں ٹھیک نشانوں پر لگیں اور ایک مادہ اور ایک نوجوان گوریلا وہیں ڈھیر ہو گئے۔ اِس کے بعد مَیں نے اور میکرارُو نے بھی فائر کر دیے۔ مگر صرف ایک گوریلا ہلاک ہُوا اور اس پر مَیں نے گولی چلائی تھی۔ میکرارُو کا نشانہ خالی گیا تھا۔ باقی دو گوریلے بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔

دُور سے وُہ یوں لگ رہے تھے جیسے سچ مُچ دو آدمی بھاگے جا رہے ہوں۔ جھاڑیوں کو پھلانگتے اور گھاس کو روندتے ہُوئے ہم بھی ان کے پیچھے بھاگے مگر اُن کی رفتار ہم سے کہیں تیز تھی اس لیے جلد ہی وُہ ہماری نظروں سے اوجھل ہو گئے۔

"بس بھئی بس" خالد نے رُکتے ہوئے کہا۔ "مجھ سے اب نہیں دوڑا جاتا" ہم سب رُک گئے۔

"چلو اب مُردہ گوریلوں کی خبر لیں، ایسا نہ ہو کہیں وہ انہیں اٹھا کر لے جائیں" ناصر نے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بات ٹھیک تھی، ہم جلدی سے واپس مُڑے۔
تینوں مُردہ گوریلے وہیں پڑے تھے۔ ہم نے انہیں ایک درخت سے باندھ دیا تاکہ اُن کے ساتھی انہیں اٹھا کر نہ لے جائیں۔ اس کے بعد ہم پھر آگے چل پڑے۔

میری خواہش تھی کہ ہم زیادہ سے زیادہ گوریلے ماریں۔ کیونکہ مَیں ان کے بارے میں زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کرنا چاہتا تھا۔ مثلاً یہ کہ اُن کی کتنی قسمیں ہیں اور ان میں کیا فرق ہے۔ پہلا گوریلا جو ہم نے شکار کیا تھا اس کی مَیں نے کھال اتار کر رکھ لی تھی اور اس کے بارے میں ساری معلومات بھی اپنی کاپی میں نوٹ کر لی تھیں۔

ہم بڑی احتیاط اور ہوشیاری سے آگے بڑھ رہے تھے کہ اچانک میکراڑو کے مُنہ سے کچھ عجیب سے الفاظ نکلے۔ وہ ایک دَم رُک گیا اور ایک طرف بڑے غور سے کچھ دیکھنے لگا۔ مَیں نے بھی اُسی طرف دیکھا۔ کچھ دُور جھاڑیوں کے پاس ایک درخت کے نیچے ایک مادہ گوریلا اور اس کا ننھا سا بچہ درخت کے پتّے توڑ توڑ کر کھا رہے تھے۔

یکایک میکراڑو نے رائفل اٹھائی اور نشانہ لینے

لگا۔ مگر مَیں بجلی کی سی تیزی سے آگے بڑھا اور رائفل کا مُنہ اُوپر کو کر دیا۔ ادھر میکراڑو رائفل کی لبلبی دبا چکا تھا۔ گولی ماں اور بچے کے سروں پر سے سنسناتی ہوئی گزر گئی۔ میکراڑو نے حیرت سے میری طرف دیکھا۔ دُوسری جانب مادہ گوریلا نے جوش اور غصے میں ایک خوفناک چیخ ماری اور پھر بچے کو لے کر بھاگ نکلی۔

"یہ کیا کیا آپ نے؟" میکراڑو نے حیرت سے کہا۔

"ظالم کو ایک ظلم سے روکا ہے۔" مَیں نے کہا۔ "اُس ننھے سے بچے کو دیکھ کر تمہارے دِل میں رحم نہیں آیا؟"

اُس نے کوئی جواب نہیں دیا اور خاموشی سے رائفل میں دُوسری گولی بھرنے لگا۔

ہم لوگ پھر آگے چل پڑے اور کچھ زیادہ دُور نہیں گئے ہوں گے کہ ایک جگہ ایک گوریلے کے قدموں کے تازہ نشانات دکھائی دیئے۔ یہ نشان ان نشانوں سے بہت بڑے تھے جو ہم نے اب تک دیکھے تھے۔ انہیں دیکھ کر ایک بار تو ہم چکرا کر رہ گئے۔

"بھئی میرے خیال میں تو یہ گوریلے کے نشان

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نہیں ہیں۔" ناصر نے غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"نہیں صاحب! یہ گوریلے ہی کے نشان ہیں۔ کسی بہت بڑے گوریلے کے نشان۔" میکرارڈو نے جواب دیا۔

"تو پھر جلدی چلو۔ میرا خیال ہے وُہ ابھی زیادہ دُور نہیں گیا ہوگا۔" خالد نے کہا۔ "تم آگے آگے نشانات دیکھتے ہوئے چلو۔ اور جب کسی گوریلے کو دیکھو تو ایک طرف ہٹ جانا۔ گولی میں چلاؤں گا۔"

"ہرگز نہیں۔" ناصر نے کہا۔ "بانٹ کے کھاؤ۔ اب کے میری باری ہے۔"

"اچھا چلو، اب کے تم ہی کھا لو۔" خالد نے ہنستے ہوئے کہا۔

اب ہم جنگل کے ایک ایسے حصّے میں پہنچ گئے تھے جو بہت گھنا تھا۔ نیچے بڑی بڑی خاردار جھاڑیاں اور سر پر چھتنار درخت۔ میلوں تک یوں لگتا تھا جیسے کسی نے چھت ڈال دی ہو۔ سُورج کی روشنی بھی بڑی مشکل سے زمین تک پہنچ رہی تھی۔ پھر ایک مشکل یہ بھی تھی کہ شام ہونے والی تھی۔ ہم نے اپنی رفتار تیز کر دی اور جلدی جلدی آگے بڑھنے

لگے مگر اس بار ہمیں زیادہ دُور نہ جانا پڑا۔ ایک جگہ یکایک ہمیں گوریلے کی خوفناک اور دِل ہلا دینے والی چیخیں سنائی دیں۔ وہ کہیں قریب ہی تھا ہم رُک گئے۔ آوازیں برابر آ رہی تھیں۔ میکرارڈو نے کپکپاتی ہوئی آواز میں کہا۔

"لیجیے، وُہ خود ہی ہماری طرف آ رہا ہے۔"

اب وہ خوفناک آوازیں قریب آتی جا رہی تھیں۔ ہمارے دِل خوف سے دھڑک اُٹھے۔ گوریلا ابھی تک ہمیں نظر نہ آیا تھا۔ البتہ شاخیں، ٹہنیاں اور جھاڑیاں ٹوٹنے کی آوازیں آ رہی تھیں اور ان سے معلوم ہوتا تھا کہ کوئی بھاری بھرکم جانور جھومتا جھامتا چلا آ رہا ہے۔ ہم نے رائفلیں اپنے ہاتھوں میں لے لیں اور مقابلے کے لیے بالکل تیار ہو گئے۔

ناصر ہم سے آگے تھا۔ اور کچھ بڑبڑا رہا تھا۔ مگر اس کی بڑبڑاہٹ گوریلے کی خطرناک آواز میں دب کر رہ گئی۔ اب کے یہ آواز اتنی بلند اور اتنی قریب سنائی دی تھی کہ ہمارے کانوں کے پردے پھٹ گئے۔ اگلے ہی لمحے ہمارے سامنے کی جھاڑیاں ٹوٹ کر ایک طرف گریں اور گوریلا ہمارے سامنے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کھڑا تھا۔

وُہ واقعی بہت بڑا گوریلا تھا اور کچھ عجب کہ گوریلوں کا سردار ہو۔ اس کا قد چھ فٹ کے بھگ تھا۔ مدّھم سی روشنی میں وہ کوئی دیو معلوم رہا تھا۔ اس کی آنکھیں غصّے سے چمک رہی تھیں اور وہ بہت بپھرا ہُوا معلوم ہو رہا تھا۔ وُہ بار بار چلاتا اور اپنا سینہ پیٹتا۔

اس نے ہمیں کھا جانے والی نظروں سے دیکھا اور پھر شور مچاتا ہُوا ہماری طرف بڑھنے لگا۔ خدا کی پناہ! اس کا شور، اس کی چیخیں، یوں معلُوم ہو رہا تھا، جیسے پورا جنگل ہل رہا ہو۔ وُہ لمحہ بہ لمحہ ہماری طرف بڑھ رہا تھا۔

خالد نے ناصر کی طرف دیکھا اور بولا "گولی چلا!" مگر ناصر خاموش کھڑا رہا۔

"گولی چلاؤ ناصر" اب کے خالد نے سختی سے کہا۔

ٹھیک اُسی وقت ناصر نے رائفل کی لبلبی دبا دی اور اس کے فوراً ہی بعد ایک اور فائر ہُوا۔ یہ خالد نے کیا تھا۔ گوریلے نے ایک ہیبت ناک چیخ ماری اور غصّے سے پاگل ہو کر ہماری طرف بڑھا مگر چند ہی قدم چلا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھا کہ لڑکھڑا کر گر پڑا
رات کا اندھیرا تیزی سے پھیل رہا تھا۔ گوریلے کی لاش ایک درخت سے باندھ کر ہم الٹے پاؤں واپس مڑے اور کیمپ کی طرف چل پڑے۔ کیمپ کے گرد آگ جل رہی تھی اس لیے ہم آسانی سے وہاں پہنچ گئے۔ کھانے سے فارغ ہو کر میرے ساتھی تو فوراً ہی سو گئے۔ مگر میں نے پہلے اپنی نوٹ بک میں آج کے شکار کی پوری داستان درج کی۔ اس کے بعد میری آنکھیں بھی بند ہونے لگیں۔ اور نیند نے جلد ہی مجھے اپنی آغوش میں لے لیا۔

غلاموں کا سوداگر

کئی ہفتے ہم نے خوب گوریلوں کا شکار کھیلا اور ہر قسم کے چھوٹے بڑے، جوان اور بوڑھے گوریلے شکار کیے۔ میں یہ ساری معلومات اپنی نوٹ بک میں درج کرتا رہا۔ لیکن ایک روز شکار کے دوران میں ایک ایسا واقعہ ہوا جس نے ہمیں شکار کا سلسلہ ختم کر کے فوراً واپس جانے پر مجبور کر دیا۔

ہُوا یوں کہ ہم روز کی طرح اس دن بھی شکار کے لیے نکلے۔ جنگل کا یہ حصّہ نہ تو بہت گھنا تھا، نہ چھدرا، بھر جا بجا سبزہ اور جنگلی پھُول۔ ہم لطف اٹھاتے اور باتیں کرتے ہوئے جا رہے تھے۔

"ارے یہ کون لوگ ہیں؟" یکایک ناصر نے رُک کر جھاڑیوں کے درمیان میں سے جھانکتے ہوئے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہم نے بھی دیکھا۔ واقعی کچھ فاصلے پر چند لوگ چلے آرہے تھے۔

"حبشی ہیں۔" میں نے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ انہوں نے ابھی ہمیں نہیں دیکھا۔ ہمیں چھپ جانا چاہیے۔"

"ٹھیک ہے۔ خواہ مخواہ کے خون خرابے سے کیا فائدہ۔" خالد نے کہا۔

ہم سب جھاڑیوں کی اوٹ میں ہو گئے۔ اور آنے والوں کو دیکھنے لگے۔ وہ حبشی تھے اور سب کے پاس ہتھیار تھے۔ چند ایک کے پاس توڑے والی بندوقیں بھی تھیں۔

"ارے! ان کے ساتھ تو ایک سفید آدمی بھی ہے" خالد نے کہا۔ "شاید انگریز ہے۔ میرا خیال ہے ڈرنے کی کوئی بات نہیں۔ یہ شاید کوئی شکاری پارٹی ہے۔"

"کیوں؟ کیا بات ہے میک؟ تم سر ہلا رہے ہو"

میکرارُو اور بھی تیزی سے سر ہلانے لگا اور پھر بولا۔ "ان کے ساتھ ایک سفید آدمی ہے صاحب یہ تو اور بھی خطرناک بات ہے۔"

"پاگل کہیں کا۔ چلو آؤ۔ اتنے گوریلے مارنے کے بعد بھی تمہارا ڈر دور نہیں ہوا" ناصر نے کہا اور

ساتھ ہی جھاڑیوں کی اوٹ سے نکل کر ان لوگوں کی طرف بڑھا۔ ہم بھی اس کے پیچھے تھے۔ ہم نے رائفلیں کندھوں پر لٹکا رکھی تھیں مگر تھے پوری طرح ہوشیار اور چوکنے۔

جوں ہی حبشیوں کی نظر ہم پر پڑی، انہوں نے ایک خوفناک نعرہ لگایا اور نیزے، بھالے اور بندوقیں سیدھی کرکے ہماری طرف بڑھے مگر ٹھیک اسی لمحے ان کے لیڈر کی آواز گونجی اور وہ فوراً اپنی اپنی جگہ رک گئے۔ یورپین مسکراتا ہوا ہماری طرف بڑھا۔ وہ خوبصورت اور لمبا تڑنگا نوجوان تھا۔ مگر جب پاس آیا تو ہمیں اس کے چہرے پر خوبصورتی کے ساتھ ساتھ ایک عجیب قسم کی سختی اور سنگدلی کا عکس بھی نظر آیا۔

"یہ غلاموں کی تجارت کرتا ہے۔" میکرارُو نے آہستہ سے کہا۔

یورپین نے قریب آکر خوش اخلاقی سے ہمیں سلام کیا۔ ہم تینوں انگریزی جانتے تھے۔ اس لیے گفتگو میں کوئی دقت نہ ہوئی۔ بات چیت کے دوران میں معلوم ہوا کہ وہ پرتگال کا رہنے والا ہے۔ "ان

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

حبشیوں کے ساتھ آپ اکیلے ہی سفر کر رہے ہیں؟"
ناصر نے حیران ہو کر پوچھا۔

"ہاں مَیں اکیلا ہی ہوں۔" اس نے جواب دیا۔

"آپ شاید سوداگر ہیں۔" خالد نے کہا۔

"جی ہاں مَیں تاجر ہوں مگر میرا سامان ساتھ نہیں ہے۔ کچھ فاصلے پر ہمارا کیمپ ہے۔ سامان وہیں رکھا ہے۔"

اس نے کہنے کو تو کہہ دیا مگر اس کی باتوں سے جھوٹ کی بُو آ رہی تھی اور مَیکرارُو نے اس کے متعلق جو کچھ کہا تھا وہ سچ معلوم ہو رہا تھا۔

"دوپہر ہو چکی ہے۔" پرتگالی نے کہا۔ "آج دوپہر کا کھانا اکٹھے کھایا جائے تو کیسا رہے؟"

اُس نے جس خوش اخلاقی سے ہمیں دعوت دی تھی۔ اُسے رد کرنا ہمارے لیے مشکل ہو گیا۔ ہماری رضامندی دیکھ کر دونوں پارٹیوں نے وہیں ڈیرا ڈال دیا۔ آگ روشن کی گئی اور گوشت بھونا جانے لگا۔

کھانے کے دوران میں پرتگالی تاجر ہم سے اور بھی بے تکلف ہو گیا۔ اس نے ہمیں پرتگالی گانے

سُنائے، اپنے سفر کی جھوٹی سچی کہانیاں سنائیں، لطیفے بیان کیے اور خوب خوب قہقہے لگائے۔ وُہ اتنا خوش اخلاق اور ہنس مُکھ تھا کہ ہمیں دِل ہی دِل میں اس بات پر افسوس ہونے لگا کہ ہم نے خواہ مخواہ اس کے بارے میں غلط سلط باتیں سوچیں۔

دُوسری طرف پرتگالی تاجر کے حبشی ساتھی اور میکرارُو بھی بہت خوش تھے۔ بھُنے ہوئے گوشت، پنیر اور ناریل کی شراب نے ان کے دماغ کو ساتویں آسمان پر چڑھا دیا تھا۔ وُہ گا رہے تھے، ناچ رہے تھے اور بے تحاشا کھا پی رہے تھے۔

کھانے سے فارغ ہونے کے بعد ہم نے ایک دُوسرے سے ہاتھ ملایا اور رخصت ہونے کے لیے اُٹھے۔

"مَیں مغرب کی طرف جا رہا ہُوں۔" پرتگالی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"مگر آپ تو شمال کی طرف جا رہے تھے۔" ناصر نے حیرانی سے کہا۔

"نہیں۔ ہم مغرب کی طرف جا رہے ہیں۔" پرتگالی نے دوبارہ کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"اچھا خدا کرے آپ اپنے مقصد میں کامیاب ہوں" ناصر نے ہاتھ ہلاتے ہوئے کہا۔

"شکریہ!" تاجر نے جواب دیا۔ "خدا کرے آپ کو بھی بہت سے گوریلے ملیں اور آپ جی بھر کے شکار کھیلیں۔"

اس کے بعد ہم ایک دُوسرے کو خدا حافظ کہہ کے اپنے اپنے راستے پر روانہ ہو گئے۔

"بدمعاش۔ جھُوٹا کہیں کا۔" میکرارڈو نے کہا۔

"کیوں کیا ہُوا؟ کیوں اس بے چارے کو گالیاں دے رہے ہو۔" خالد نے حیران ہو کر پوچھا۔

"بے چارہ۔ آپ اس ظالم کو بے چارہ کہتے ہیں۔" مَیک نے غصّے سے کہا۔ "اس جھوٹے نے آپ کو بتایا ہے کہ وُہ مغرب کی طرف جا رہا ہے۔ حالانکہ یہ غلط ہے۔ وُہ شمال کی طرف جا رہا ہے۔ وُہ اپنے آپ کو بڑا چالاک سمجھتا ہے مگر مَیں اس سے زیادہ چالاک ہوں۔"

میکرارڈو کی باتیں ہماری سمجھ سے باہر تھیں۔ وُہ بڑے غصّے میں معلوم ہوتا تھا۔ یُوں لگتا تھا جیسے اسے پرتگالی سوداگر کے بارے میں ہم سے زیادہ

معلوم ہے۔

"بھئی مَیک! تمہاری باتیں ہماری سمجھ میں تو آتی نہیں۔ جانے تم کیا کہنا چاہتے ہو؟" خالد نے پوچھا۔

میکرارڈو کچھ دیر خاموشی سے ہمیں دیکھتا رہا اور پھر بولا۔

"صاحب! وُہ بدمعاش ہے۔ لٹیرا ہے۔ وہ تاجر نہیں، ڈاکو ہے۔ وہ مغرب کی جانب نہیں۔ شمال کی طرف جا رہا ہے۔ آپ نے دیکھا نہیں اس کے ساتھیوں کے پاس کتنے ہتھیار تھے۔ آپ کو پتا ہے وہ کس مقصد کے لیے جا رہے ہیں۔ حبشیوں کی بستیوں پر اچانک حملہ کریں گے اور انہیں غلام بنا کر لے جائیں گے۔"

"مگر تمہیں ان باتوں کا کس طرح پتا چلا؟" میں نے پوچھا۔

"جو مَیں کہہ رہا ہوں وہ بالکل ٹھیک ہے۔" میکرارڈو نے جواب دیا۔ "اچھّا، ایک بات بتائیے وُہ آپ سے گھُل مِل کے باتیں کرتا رہا ہے۔ اس نے خود بھی آپ سے خُوب باتیں کیں اور آپ کو بھی بولنے پر مجبُور کرتا رہا۔ اس نے آپ سے یہ بھی معلوم کیا ہو گا کہ آپ جس راستے سے یہاں آئے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہیں، اس میں حبشیوں کی کتنی بستیاں پڑتی ہیں۔ اور ان کی آبادی کتنی ہے؟"

"ہاں یہ تو ٹھیک ہے۔ اس نے ہم سے پوچھا تھا اور ہم نے اسے سچ سچ بتلا دیا تھا۔" خالد نے کہا۔

"یہی تو اُس کی چالاکی ہے جناب! اس نے آپ سے وُہ ساری باتیں معلوم کرلیں جن کی اُسے ضرورت تھی۔ اب وہ ان بستیوں پر حملہ کرے گا۔ اور نوجوانوں کو غلام بنا کر لے جائے گا۔"

"تمہاری بات ٹھیک معلوم ہوتی ہے۔" ناصر نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"صاحب! وُہ اپنے آپ کو چالاک سمجھتا ہے مگر مَیں اس کے باپ سے بھی زیادہ چالاک ہُوں جس طرح اس نے آپ سے سب کچھ پوچھ لیا۔ اسی طرح مَیں نے بھی اس کے ساتھیوں سے سب کچھ پوچھ لیا۔ مَیں انہیں گیت سناتا رہا، بے تکلفی سے باتیں کرتا رہا اور شراب پلاتا رہا۔ شراب کے نشے میں انھوں نے سب کچھ بک دیا۔ میرے خیال میں سب سے پہلے وُہ سردار مبانگو پر، جس

کے پاس ہم اوکنڈا کو چھوڑ کر آئے ہیں، حملہ کرے گا اور اس کے بعد وہ شاید سردار جبائی کی بستی پر دھاوا بولے۔"

"یہ تو بہت بُرا ہُوا۔" خالد نے کہا۔" اس ظالم نے باتوں باتوں میں سب کچھ پُوچھ لیا۔ اب کیا کیا جائے؟ اس ظلم میں ہم بھی برابر کے شریک ٹھہریں گے۔

"ہمیں کچھ نہ کچھ کرنا ہی پڑے گا۔ اب گوریلوں کے شکار پر تو لعنت بھیجو اور واپسی کی تیاری کرو۔ ہمیں جلد از جلد اپنے دوستوں کی مدد کرنی چاہیے۔ سردار جبائی اور سردار مبانگو نے ہمارے ساتھ جو اچھا سلوک کیا ہے اس کا بدلہ دینے کا یہی وقت ہے۔"

"ٹھیک ہے ہمیں ان کی ضرور مدد کرنی چاہیے۔" ناصر نے کہا۔" میرا تو خیال ہے کہ ہمیں آج ہی روانہ ہو جانا چاہیے۔" میں بولا۔" مگر ایک مشکل ہے۔ ہمارے سامان کا کیا بنے گا؟ اسے ہم چھوڑ کر تو جا نہیں سکتے۔ ساتھ لے جائیں تو وقت پر نہیں پہنچ سکیں گے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"سامان کی تم فکر نہ کرو۔" ناصر نے کہا۔ "اس کا حل میں نے سوچ لیا ہے۔ ہمارے مزدوروں میں ایک آدمی ایسا ہے جس پر ہم اعتبار کر سکتے ہیں۔ اس سے ہم کہہ دیں گے کہ وہ سامان لے کر سردار مبانگو کی بستی میں پہنچ جائے۔"

ساری باتیں طے کرنے کے بعد ہم اپنے کیمپ کی طرف روانہ ہو گئے۔ رات ہو رہی تھی اس لیے اس وقت ہماری روانگی ناممکن تھی۔ اب اگلے دن ہی جایا جا سکتا تھا۔

زیبرا اور شیر

اگلے روز ہم روانہ ہو گئے۔ ہم نے اپنے ساتھ بہت تھوڑا سا سامان لیا تھا اور یہ بھی وہ چیزیں تھیں جو ہمارے لیے بہت ضروری تھیں۔

واپسی میں کیا کیا واقعات پیش آئے، ہم نے کن کن مشکلوں کا سامنا کیا اور کیسے کیسے معرکے سر کیے۔ ان کی تفصیل اگر میں بیان کرنے لگوں تو یہ کہانی بہت لمبی ہو جائے گی۔ البتہ دو ایک واقعے ایسے ہیں جن کا ذکر ضروری ہے۔ انھی سے آپ کو اندازہ ہو جائے گا کہ ہمارا یہ سفر کتنا خطرناک تھا۔

ہم چاروں ساتھی دن بھر سفر کرنے اور رات کو کسی کھلے میدان میں اپنے چاروں طرف آگ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جلا کر سو جاتے ۔ یہ تو آپ کو معلوم ہی ہے کہ جنگل میں رات کو سوتے وقت ارد گرد آگ کے الاؤ جلانا بہت ضروری ہے ۔ آگ کو دیکھ کر درندے بھاگ جاتے ہیں ۔

ایک روز شام کو ایک جگہ ہم کچھ دیر دم لینے کے لیے رُکے ۔ یہ بڑا خوبصورت علاقہ تھا۔ ایسے دلکش منظر تھے کہ گھنٹوں دیکھتے رہنے کو جی چاہتا تھا۔ اس وقت ہم ایک ٹوٹے ہوئے درخت کے تنے پر بیٹھے تھے ۔ سامنے پھیلے ہوئے میدان کے اس پار، دُور کہیں گھنے درختوں کے پیچھے سُورج آہستہ آہستہ غروب ہو رہا تھا۔ آسمان پر شوخ رنگ بکھرے ہوئے تھے ۔ شفق کا ایسا دل فریب منظر پہلے میری نظر سے کبھی نہ گزرا تھا۔ پھر شام کی ہلکی ہلکی سرد ہوا چل رہی تھی ۔ جس نے موسم کو بہت سُہانا بنا دیا تھا۔ ہمارے سروں پر درختوں میں چھپے ہوئے طوطے شور مچا رہے تھے ۔ دوسرے پرندے بھی اپنی اپنی بولیاں بول رہے تھے ۔ ہم سب خاموش بیٹھے اس حسین منظر سے لُطف اٹھا رہے تھے ، کہ اچانک ناصر بولا ۔

" اصغر! اِدھر دیکھو۔ وُہ کیا ہے " اُس نے ایک طرف اشارہ کیا ۔

" زیبرا " میں نے خوشی سے چلّا کر کہا ۔ " کیا خیال ہے ؟ ہو جائے آج رات کی ضیافت کا سامان ۔ سُنا ہے اس کا گوشت بڑا لذیذ ہوتا ہے "

" بھئی مجھ میں تو ہمّت نہیں کہ اتنی دُور جاؤں " خالد نے کہا ۔ " ناصر تم چلے جاؤ "

" مجھے کوئی اعتراض نہیں ، چلا جاتا ہوں مگر وُہ کم بخت کھُلے میدان میں کھڑا ہے اور اس کا قابو میں آنا بہت مشکل ہے " ناصر نے جواب دیا ۔

" ہاں صاحب " میکرارُو نے بھی ہاں میں ہاں ملائی " یہ بڑا ہی ہوشیار جانور ہے ۔ اِدھر آپ نے حرکت کی اور اُدھر اُسے خبر ہوئی ۔

" دُور سے نشانہ لگانے کے بارے میں کیا خیال ہے خالد " ناصر نے کہا ۔

" تمہاری رائفل تو آسانی سے اِتنی دُور مار کر لیتی ہے "

" کوشش ہی ہے کر دیکھتے ہیں " خالد نے مُسکرا کر ، " گولی نشانے پر بیٹھ گئی تو ٹھیک ہے ورنہ نہ سہی "

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

یہ کہہ کر وُہ اُٹھا اور ایک گھٹنا زمین پر ٹیک کر بڑی احتیاط سے نشانہ لینے لگا۔ پھر گولی چلنے کی آواز آئی۔ ہماری نظریں تو پہلے ہی زیبرے پر جمی ہوئی تھیں۔ اِدھر آواز آئی اور اُدھر وُہ زمین پر گر گیا۔ ہمیں اپنی آنکھوں پر یقین ہی نہ آ رہا تھا۔ یہ ٹھیک ہے کہ خالد بڑا اچھّا نشانچی تھا اور اس کی رائفل بھی اعلیٰ قسم کی تھی مگر اتنے فاصلے سے شام کے وقت زیبرے جیسے جانور کو نشانہ بنانا بہت بڑا کمال تھا۔ میکرارُو بھی کچھ دیر ہکّا بکّا سا کھڑا رہا۔ جیسے اسے ابھی زیبرے کے گرنے کا یقین نہ آیا ہو۔ اور پھر جب وُہ چونکا تو خوشی سے دیوانہ ہو کر ناچنے لگا۔ اس کے بعد سیدھا زیبرے کی طرف دوڑ پڑا۔

"ارے بھئی چلو ہم بھی چلیں۔ ورنہ مجھے خطرہ ہے کہ کہیں یہ ظالم زیبرے کو کچّا ہی نہ چبا جائے" ناصر نے کہا۔

"ہم تینوں بھی اُس طرف تیزی سے بڑھے۔ وُہ بڑا شاندار شکار تھا اور اس کی خوبصورت دھاریوں والی کھال تو بس دیکھنے کی چیز تھی۔ مَیں نے جھٹ

اپنی نوٹ بُک نکالی اور اس کے بارے میں ضروری معلومات درج کرنے لگا۔ میرے ساتھی اتنے میں سامنے کے جنگل میں جا گھُسے اور وہاں کوئی مناسب سی جگہ رات بسر کرنے کے لیے تلاش کرنے لگے۔

تھوڑی ہی دیر میں انہوں نے ایک محفوظ سی جگہ منتخب کر لی اور وہاں کیمپ لگا دیا گیا۔ پھر کیمپ کے چاروں طرف آگ روشن کر دی گئی۔ اس کے بعد ہم زیبرے کو گھسیٹ کر وہاں لے گئے اور اس کی ران کاٹ کر بوٹیاں آگ پر بھوننے لگے۔ اب رات ہو چکی تھی۔ بھُنے ہوئے گوشت نے ہماری بھوک کو اور بھی چمکا دیا تھا۔ جی چاہتا تھا جلد سے جلد بوٹیاں پیٹ میں اتار لیں۔

جنگل کا وُہ حصّہ جس میں ہم ڈیرا ڈالے پڑے تھے، درندوں اور دُوسرے جانوروں سے پٹا پڑا تھا۔ اس لیے ہم نے فیصلہ کیا کہ باری باری پہرا دیا جائے۔ آدھی رات کے وقت مَیں نے اپنی ڈیوٹی ختم کر کے ناصر کو جگا دیا۔ وُہ آنکھیں ملتا اور بڑبڑاتا ہُوا اُٹھا۔

"آنکھیں کھولو بھئی! یہ لو اپنی رائفل اور ہوشیاری

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے پہرا دینا۔" مَیں نے اسے جھنجھوڑتے ہُوئے کہا۔
" اچھّا بابا۔ اس نے جمائی لے کر کہا۔" تم سو جاؤ۔"
مَیں اپنے بستر میں جا لیٹا، رائفل کو اپنے پہلو میں رکھا اور سو گیا۔

مَیں کب تک سویا۔ اس کا تو مجھے اندازہ نہیں۔ مگر ہاں یہ ضرور یاد ہے کہ اچانک ایک خوفناک اور دِل دہلا دینے والی گرج نے مجھے جگا دیا۔ وُہ آواز اس قدر ہولناک تھی کہ اب بھی کبھی یاد آتی ہے تو رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ مَیں اچھل کر بیٹھ گیا اور ٹٹول کر رائفل تلاش کر لی۔

اب جو مَیں نے نظر اٹھا کر دیکھا تو کلیجہ اُچھل کر جیسے حلق میں آ گیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ ایک ببر شیر اس زیبرے کی لاش پر چھلانگ لگانے ہی والا ہے، جو ہم نے شکار کیا تھا۔ زیبرا آگ کی دُوسری جانب پڑا تھا اور اس کا فاصلہ ہم سے چار گز ہو گا۔ سچّی بات تو یہ ہے کہ شیر کو دیکھ کر میرے تو اوسان جاتے رہے۔ مگر یہ وقت سوچنے کا نہیں تھا۔ مَیں نے رائفل آہستگی سے اٹھائی۔ ٹھیک اسی وقت شیر ایک بار اور

پوری قوت سے دھاڑا اور ساتھ ہی اُچھل کر زیبرے پر جا پڑا۔ مَیں نے کانپتے ہُوئے ہاتھوں سے رائفل کا رُخ اُس کی طرف موڑا مگر اس سے پہلے کہ مَیں نشانہ لیتا، گولی چلنے کی آواز گونجی، شیر فضا میں اُچھلا اور پھر یُوں زمین پر گِر گیا، جیسے پتھر ہو۔ اُس نے ایک بار بھی حرکت نہیں کی مَیں نے مُڑ کر دیکھا کچھ فاصلے پر ناصر رائفل لیے کھڑا تھا۔ بعد میں جب ہم نے شیر کا اچھی طرح معاینہ کیا۔ تو پتا چلا کہ ناصر کا نشانہ حیرت انگیز حد تک صحیح لگا تھا۔ گولی شیر کی کھوپڑی میں لگی تھی اور اس کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے تھے۔

شیر کی گرج اور گولی چلنے کی آواز نے خالد اور میکرارُو کو بھی جگا دیا تھا۔

" واہ کیا شاندار نشانہ ہے۔" خالد نے ناصر کی پیٹھ پر تھپکی دیتے ہُوئے کہا۔" سچ مچ دل خوش کر دیا۔"

" واقعی۔" مَیں نے کہا۔" ہمیں ناصر کا شکر گزار ہونا چاہیے کہ یہ پہرے پر کھڑا تھا۔ اس نے آج ہمیں بچا لیا ورنہ سب مارے گئے تھے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"نہیں۔ خیر ہمیں تو ایسا کوئی خطرہ نہ تھا۔ ببر شیر بلا وجہ کسی پر حملہ نہیں کرتا۔ یہ کمینی حرکت صرف چیتا کرتا ہے یا دُوسرے نچلے درجے کے درندے" میکرارڈو نے کہا۔

"اچھا بھئی اب آپ لوگ خواہ مخواہ میری تعریف کرکے مجھے پھُلائیں نہیں۔" ناصر نے مُسکراتے ہوئے کہا۔ "حقیقت یہ ہے کہ مَیں تو سویا پڑا تھا۔ شیر کی دھاڑ سے ہی میری آنکھ کھُل گئی۔ خدا کا شکر ہے کہ رائفل میرے ہاتھ ہی میں تھی۔ بس مَیں نے بغیر کچھ سوچے سمجھے رائفل اُٹھائی اور گولی چلا دی۔ اب یہ اتفاق کی بات تھی کہ گولی شیر کے سر میں لگی۔" مَیں نے اپنا فیتہ نکالا اور شیر کی پیمائشیں کرکے اپنی نوٹ بُک میں لکھنے لگا۔

دُوسری طرف میرے دوستوں نے کچھ لکڑیاں اکٹھی کیں اور آگ اور تیز کر دی۔ اب صُبح دُور نہ تھی۔ وُہ تو آگ کے قریب بیٹھ کر باتیں کرنے لگے اور مَیں شیر کا معاینہ کرتا رہا۔

صُبح ہوئی تو ہم نے چلنے کی تیاری کی۔ اُس وقت شیر کی کھال اُتار کر ساتھ لے جانا ہمارے

لیے ممکن نہ تھا۔ اس لیے ہم نے یہ خیال ترک کر دیا۔ ہاں ناصر نے ایک کام ضرور کیا۔ اس نے شیر کے مُنہ میں سے بڑے دانت نکال لیے جو اب بھی ہمارے پاس رکھے ہیں۔ کبھی کبھی دیکھتے ہیں تو وُہ شیر ہماری آنکھوں کے سامنے پھر جاتا ہے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ایک رات

اس سفر میں ہمیں بہت سی نئی باتیں معلوم ہوئیں۔ مثلاً ایک خاص بات ہم نے یہ دیکھی کہ افریقہ کے جنوبی علاقوں کے ہاتھی، شمالی علاقوں کے ہاتھیوں کے مقابلے میں چھوٹے ہوتے ہیں۔ مگر ان کے دانت لمبے ہوتے ہیں۔ ایک ہاتھی تو میں نے ایسا دیکھا جس کے صرف دانتوں کا وزن پچاس سیر کے لگ بھگ ہوگا۔ ایسے دانت بڑے قیمتی ہوتے ہیں

رات کو جب ہم کسی دریا یا جھیل کے قریب کیمپ لگاتے تو وہاں ہاتھی بھی پانی پینے کے لیے آجاتے۔ وُہ خُوب شور مچاتے، نہاتے اور سونڈوں میں پانی بھَر بھَر کے ایک دُوسرے پر پھینکتے۔

ایک روز اتفاق ایسا ہوا کہ ہمارے پاس پانی ختم ہوگیا۔ جس علاقے میں ہم سفر کر رہے تھے، وہاں کہیں پانی کی اِک بوند تک نظر نہ آئی۔ اور ہمیں سارا دن پانی کا ایک گھونٹ پیے بغیر سفر کرنا پڑا۔ شام کے وقت کہیں ہم ایک جھیل کے کنارے پہنچے۔ اور جی بھر کے پانی پیا۔ اس کے بعد خُوب نہائے اور تروتازہ ہونے کے بعد قریب کے ایک چھوٹے سے جنگل میں چلے گئے۔ وہاں ہم نے کیمپ لگایا اور کھانے پکانے میں مصرُوف ہوگئے۔

جب ہم کھانے وغیرہ سے فارغ ہوئے تو چاند نکل رہا تھا۔ ہم جلدی جلدی تیار ہوئے اور رائفلیں لے کر جھیل کی طرف روانہ ہوگئے۔ رائفلیں ہم نے شکار کے ارادے سے نہیں بلکہ حفاظت کے لیے لی تھیں۔ ہمارا ارادہ صرف تفریح کرنے کا تھا اور ہم یہ دیکھنا بھی چاہتے تھے کہ کون کون سے جانور جھیل میں پانی پینے کے لیے آتے ہیں۔ میکراوڈ کو ہم نے کیمپ کی حفاظت کے لیے پیچھے چھوڑ دیا تھا۔

جس جنگل میں ہم نے کیمپ لگایا تھا، اُس کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

باہر ایک لمبا چوڑا میدان تھا۔ جس میں کہیں کہیں درخت اور جھاڑیاں اُگی ہوئی تھیں۔ اسی میدان کے درمیان وہ جھیل تھی۔ جس کا پانی چاندنی رات میں چاندی کی طرح چمکتا نظر آتا تھا۔ جھیل کے تین طرف کے کناروں پر جھاڑیاں، نرسل اور درخت تھے۔ اور ایک طرف بالکل خالی تھی اور عام طور پر جانور یہیں پانی پینے آتے تھے۔ اس وقت بھی شاید وہاں کچھ جانور پانی پینے کے لیے آئے تھے اور ہمارے قدموں کی چاپ سُن کر بھاگ کھڑے ہوئے تھے۔ اُن کے سُموں کی آواز ہمیں صاف سنائی دے رہی تھی۔

ناصر نے کہا۔ "آؤ اب جلدی سے بیٹھنے کے لیے کوئی جگہ تلاش کر لیں۔"

"تلاش کرنے کی ضرورت نہیں۔ وُہ رہا سامنے ایک چھوٹا سا ٹیلا۔" مَیں نے اشارہ کرتے ہُوئے کہا۔ "وہیں ڈیرا جماتے ہیں۔"

"رات کو تمہیں شاید زیادہ دکھائی دیتا ہے۔ ہے نا؟" خالد نے ہنستے ہُوئے کہا۔ "واقعی اچھی جگہ ہے۔"

ہم جلدی سے اُس ٹیلے کی طرف بڑھے۔ ٹیلے پر جھاڑیاں اُگی ہُوئی تھیں اس لیے ہم اُن میں آسانی سے چھُپ کر بیٹھ سکتے تھے۔ ہم نے رائفلیں نیچے رکھیں اور شکاری چاقو نکال کر جھاڑیوں کی شاخیں کاٹنے لگے۔ تاکہ سامنے کا حصّہ صاف ہو جائے اور جھیل صاف نظر آ سکے۔

یہ ٹیلا ہم نے اپنے بیٹھنے کے لیے اس لیے چنا تھا کہ یہ سب سے اُونچا مقام تھا اور تالاب کے آس پاس کا علاقہ صاف دیکھا جا سکتا تھا۔ دُوسرے خطرے کے وقت ہم آسانی سے نیچے اُتر کر اپنے کیمپ کی طرف بھی جا سکتے تھے۔

تھوڑی دیر بعد ہمیں کچھ دُور کسی جانور کے قدموں کی آہٹ سُنائی دی۔ ہم نے اپنے ہاتھ روک لیے۔

"بس اب شور مت کرنا۔" ناصر نے کہا۔ "کوئی آ رہا ہے۔"

ہم نے آواز کی طرف کان لگا دیے۔ وُہ کسی کے دوڑنے کی آواز تھی۔ ہم آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اُس طرف دیکھ رہے تھے جدھر سے آواز آ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رہی تھی ۔ اچانک جھاڑیوں کے درمیان سے وُہ جانور نمودار ہُوا ۔ چاندنی میں ہم نے دیکھا کہ وُہ ایک خوبصُورت لمبے سینگوں والا ہرن تھا ۔ اس کے ساتھ ایک بڑا ہی پیارا سا بچّہ بھی تھا ۔ تالاب کے قریب پہنچ کر اُنہوں نے احتیاط سے پہلے اِدھر اُدھر دیکھا اور پھر مُنہ اُٹھا کر ہوا کو سُونگھا ، جیسے اندازہ کر رہے ہوں کہ کوئی خطرہ تو نہیں ۔ اور جب اُن کی تسلّی ہو گئی تو وُہ اطمینان سے آگے بڑھے اور پانی پینے لگے ۔ پانی پیتے وقت وُہ کتنے خوبصُورت اور شاندار لگ رہے تھے ۔ میرا دِل چاہتا تھا کہ وُہ کچھ دیر اسی طرح آرام ، سکون اور اطمینان سے کھڑے اپنی پیاس بُجھاتے رہیں اور مَیں انہیں تکتا رہوں ۔ مگر ایسا نہ ہو سکا ۔ اچانک ایک طرف سے بہت سے قدموں کی آوازیں آئیں اور وُہ دونوں ہرن دَم بھر میں ہوا ہو گئے ۔

ہم تینوں اپنی اپنی جگہ بیٹھے حیرت اور دلچسپی سے یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے ۔ قدموں کی آواز آہستہ آہستہ قریب آتی گئی ۔ آخر ہم نے زرافوں کا ایک ریوڑ جھیل کی طرف آتے دیکھا ۔ وہ دَوڑتے ہُوئے

آئے اور کنارے پر کھڑے ہو کر پانی پینے لگے ۔ کبھی کبھی وُہ اپنی لمبی لمبی گردنیں اُٹھا کر جنگل کی طرف بھی دیکھ لیتے تھے کہ کوئی خطرہ تو نہیں ۔ پانی پینے کے بعد وُہ جس طرف سے آئے تھے ، اُسی طرف غائب ہو گئے ۔

اس کے بعد ہم نے بے شمار جانوروں کو وہاں آتے اور جاتے دیکھا ۔ ان میں گینڈے ، چیتے ، جنگلی بھینسے ، ہرن ، بارہ سنگھے اور بہت سے دُوسرے جانور تھے ۔ کچھ تو چُپ چاپ پانی پی کر چلے جاتے کچھ آپس میں چہلیں کرتے اور ایک دُوسرے کو تنگ کرتے ۔ غرض عجیب دلچسپ نظارہ تھا ۔ ہم بڑی دلچسپی سے یہ تماشا دیکھ رہے تھے کہ اچانک ٹیلے کے دائیں طرف کسی بھاری بھرکم جانور کے گزرنے کی آواز آئی ۔

"ہوشیار!" ناصر نے کہا ۔ مگر اس کے ہوشیار کرنے کی ضرورت نہ تھی ۔ ہم پہلے ہی رائفلیں ہاتھوں میں لے چُکے تھے ۔ آوازیں برابر آ رہی تھیں اور معلوم ہوتا تھا کہ وُہ کوئی بڑا جانور ہے ۔ اور اُسے کسی خطرے کی پروا نہیں ۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"ہم یہاں محفوظ ہیں نا؟" مَیں نے پوچھا۔

"ہاں محفوظ تو ہیں، بشرطیکہ چُپ چاپ بیٹھے رہیں" ناصر نے جواب دیا۔

ہم رائفلیں ہاتھوں میں پکڑے دَم سادھے بیٹھے تھے۔ آوازیں قریب آتی گئیں اور پھر ہم نے دیکھا کہ وُہ بہت بڑا گینڈا تھا اور اندھا دُھند ہمارے ٹیلے پر چڑھا آرہا تھا۔ آہستہ آہستہ وُہ ہمارے اتنے قریب پہنچ گیا کہ ہم بڑی آسانی سے اُسے پکڑ سکتے تھے۔

وُہ بہت بڑا گینڈا تھا۔ اتنا بڑا گینڈا اِس سے پہلے مَیں نے کبھی نہ دیکھا تھا۔ یُوں لگتا تھا جیسے وُہ چھوٹی چھوٹی ٹانگوں والا ہاتھی ہو۔ وُہ ہماری جھاڑیوں کے بالکل پاس سے گُزر رہا تھا۔ مَیں نے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا وُہ چُپ چاپ سانس روکے بیٹھے تھے اور ان کی رائفلوں کے مُنہ گینڈے کی طرف تھے۔ اب گینڈا ایک جگہ آکر رُک گیا تھا اور بار بار تھوتھنی اُٹھا کر کچھ سُونگھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"اُس نے ہماری بُو سونگھ لی ہے اور اب ہم پر

حملہ کرنے ہی والا ہے۔" میرا دل دَھک دَھک کرنے لگا۔ چند لمحے وُہ اسی طرح کھڑا رہا اور اس کے بعد اچانک مُڑا اور جھاڑیوں کو روندتا ہُوا تالاب کی طرف چلا گیا۔

مَیں کچھ کہنے ہی والا تھا کہ یکایک بہت سے جانوروں کے بھاگنے کی آوازیں سُنائی دیں۔ ہم نے غور سے دیکھا۔ درختوں کے درمیان سے گُزرتے ہُوئے بہت سے سیاہ رنگ کے بھاری بھرکم جانور، جو دُور سے سائے سے معلوم ہوتے تھے، چلے آرہے تھے۔

"ہاتھی!" ناصر نے کہا۔

"نہیں۔ میرے خیال میں تو بھینسے ہیں" مَیں نے کہا۔

اتنی دیر میں وُہ جانور درختوں کے سایوں میں سے نکل کر چاندنی میں آگئے۔ وُہ ہاتھی ہی تھے اور اُن کی تعداد کسی طرح بھی ایک سو سے کم نہ ہوگی۔ اُن کے ساتھ چھوٹے چھوٹے بچّے بھی تھے۔ وُہ سب کے سب سُونڈیں لہراتے اور چنگھاڑتے جھیل کی طرف بڑھے۔ اور پانی پینے لگے۔ پانی پینے کے بعد

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

انہیں دِل لگی سُوجھی اور وُہ سُونڈوں میں پانی بھر بھر کے ایک دُوسرے پر پھینکنے لگے۔ بچّے تو بہت ہی خوش نظر آرہے تھے اور دُوسروں سے زیادہ شوخیاں کر رہے تھے۔ مگر ان کی مائیں ان کا خیال رکھ رہی تھیں۔ وُہ بار بار سونڈیں اُٹھا کر اُنہیں شرارتیں کرنے اور زیادہ دُور جانے سے منع کرتی تھیں۔

"ذرا اُدھر تو دیکھو۔" ناصر نے کہا۔ "وُہ گینڈا ابھی تک جھیل کے کنارے کھڑا ہے۔"

ہماری بائیں طرف جھیل کے کنارے ایک گینڈا کھڑا تھا اور یہ وہی تھا جو کچھ دیر پہلے ہمارے قریب سے گزرا تھا۔ وُہ چُپ چاپ کھڑا ہاتھیوں کو شرارتیں کرتے دیکھ رہا تھا۔

"اِدھر دیکھو۔ دائیں طرف سے بھی کوئی جانور گزر رہا ہے۔ نظر نہیں آیا؟ وُہ سامنے دیکھو۔ ہاں وُہ۔ میرے خیال میں تو زرافہ ہے۔"

"ہاں! ہے تو زرافہ ہی۔" ناصر نے کہا۔ "مگر چُپ ہو جاؤ۔ اس کے کان بڑے تیز ہوتے ہیں۔" ساتھ ہی اُس نے رائفل اُٹھائی اور زرافے کا نشانہ لینے لگا۔

"ارے! کیا کرتے ہو؟" مَیں نے گھبرا کر کہا۔ "ہم

یہاں شکار کھیلنے نہیں، سیر کے لیے آئے ہیں۔"

"بات تو ٹھیک ہے مگر جب شکار اتنا قریب ہو کہ انسان آنکھیں بند کر کے گولی چلا سکتا ہو تو شکار کو بچ کر نہیں جانا چاہیے۔" اُس نے جواب دیا۔

"اچھا یہ بات ہے تو ہم کسی سے کم ہیں؟" خالد نے بھی رائفل سیدھی کرتے ہوئے کہا۔ "تم زرافہ شکار کرو اور مَیں گینڈا۔"

جس وقت وُہ اپنے شکار کا نشانہ لے رہے تھے، مَیں کبھی انہیں دیکھتا اور کبھی جانوروں کو۔ بائیں جانب گینڈا کھڑا تھا۔ جس کا ہم سے فاصلہ مُشکل سے پندرہ گز ہوگا۔ دائیں طرف زرافہ تھا جو اپنی لمبی گردن اُٹھائے جھاڑیوں کے اُوپر سے جھیل کی طرف دیکھ رہا تھا کہ پانی پینے کے لیے آگے بڑھنا چاہیے یا نہیں؟ سامنے جھیل تھی جس کا شفاف پانی چاندی کی طرح چمک رہا تھا۔ پرے کنارے پر ہاتھی تھے جو ابھی تک پانی میں کھڑے شور مچا رہے تھے۔ یکایک دونوں رائفلوں کے ایک ساتھ چلنے کی آوازیں گونجیں۔ گولیاں چلنے کے بعد جنگل میں جو طوفان آیا وُہ مَیں الفاظ میں بیان نہیں کر سکتا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

خوفزدہ جانوروں کی چیخیں، بھاگنے کی آوازیں، جھاڑیاں
اور درخت ٹوٹنے کا شور، ہاتھیوں کی چنگھاڑیں اور
پرندوں کا شور سُن کر یُوں لگتا تھا جیسے لاکھوں وحشی
جانوروں اور درندوں کے پنجرے ایک ساتھ کھول
دیے گئے ہوں۔ اور وُہ پاگلوں کی طرح ایک دُوسرے
سے لڑ رہے ہوں۔

ٹھیک اسی لمحے ہمارے پیچھے صرف چند گز کے
فاصلے پر ایک شیر کی دھاڑ سُنائی دی اور ہمارے
دل دَھک سے رہ گئے۔ معلُوم ہوتا ہے کہ شیر نے
ہمیں وہاں چھُپے ہُوئے دیکھ لیا تھا۔ اور وُہ ہم پر
حملہ کرنے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ گولیوں کی آواز
سے خوفزدہ ہوکر پیچھے ہٹ گیا۔

ہم تینوں اُچھل کر کھڑے ہو گئے۔ پچھلی بار ہم نے
شیر کا جو شکار کیا تھا۔ اس کے بعد میکرارُو نے شیر کی
بہادری اور خُونخواری کے اتنے واقعات ہمیں سُنا ڈالے
تھے کہ ہمارا خوفزدہ ہو جانا حیرت کی بات نہ تھی۔
خاص طور پر اُس نے آدم خور شیروں کے جو واقعات
ہمیں سُنائے تھے وُہ تو بڑے ہی دہشتناک تھے۔
ہم تینوں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر جھاڑیوں میں دیکھ رہے

تھے۔ شیر کی گرج نے ہمیں سب کچھ بھُلا دیا تھا۔
یہاں تک کہ خالد گینڈے اور ناصر زرافے کو بھی بھول
گیا تھا۔ مگر گینڈا ہمیں نہیں بھُولا تھا۔ اُس نے ہمیں
جھاڑیوں میں کھڑے دیکھا تو حملہ کرنے کے لیے ہماری
طرف جھپٹا اور ہمیں پتا اس وقت چلا جب وُہ ہمارے
سر پر پہنچ چُکا تھا۔ گینڈے کو دیکھ کر ہم تینوں کی چیخیں
نکل گئیں اور ہم مختلف سمتوں میں بھاگ کھڑے ہُوئے
ٹیلے کی ڈھلان پر سے اُترتے ہُوئے میری پتلون کا پائنچا
ایک جھاڑی میں اُلجھ گیا اور مَیں مُنہ کے بَل زمین پر
گر گیا۔ ٹھیک اسی لمحے گینڈا میرے جسم کو چھُوتا ہُوا
اپنے زور میں آگے نکل گیا۔ اور یہ سوچ کر مَیں
کانپ اُٹھا کہ اگر اتفاق سے مَیں گر نہ جاتا تو گینڈا
میری ہڈیوں کا سُرمہ بنا چُکا ہوتا۔

مَیں جلدی سے اٹھا اور اس بار دُوسری طرف
کو بھاگا لیکن ابھی مشکل سے دس قدم گیا ہوں گا
کہ پیچھے سے شیر کی دھاڑ اور گینڈے کی آواز ایک
ساتھ سُنائی دی۔ مجھے یقین ہو گیا کہ اب شیر اور
گینڈے میں خوفناک جنگ ہو گی۔ گینڈا بپھرا ہُوا ہو
تو شیر کو بھی خاطر میں نہیں لاتا۔ ایک بار تو میرے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جی میں آئی کہ کہیں چھپ کر دونوں کا مقابلہ دیکھوں مگر جب خطرے کا احساس ہوا تو میں سیدھا بھاگتا چلا گیا۔ میرا رُخ کیمپ کی طرف تھا اور مجھے یقین تھا کہ میرے ساتھی بھی سیدھے وہیں پہنچیں گے۔

میں ابھی تھوڑی ہی دُور گیا تھا کہ ایک بار پھر شیر کی دھاڑ سنائی دی۔ میں ایک دم رُک گیا۔ مجھے یہ پتا نہیں تھا کہ شیر کس جگہ ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ بالکل سامنے ہی ہو۔ اور اس نے مجھے دیکھ لیا ہو۔ اس خیال سے ایک بار تو میرے پسینے چھُوٹ گئے مگر میں نے اپنے اوسان خطا نہ ہونے دیے۔ میں جلدی سے واپس مُڑا اور قریبی جھاڑیوں کی طرف بڑھا۔ مگر اسی وقت میری نظر میدان کے بیچوں بیچ کھڑے ہوئے شیر پر پڑ گئی۔ میں نے جھاڑی کے پتوں کو ہٹا کر غور سے دیکھا اور مارے خوف کے میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ ناصر اور شیر ایک دُوسرے کے سامنے کھڑے تھے اور ایک دُوسرے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے گھُور رہے تھے۔ ان کے درمیان مشکل سے پندرہ بیس گز کا فاصلہ تھا۔ شیر تو بالکل یوں معلوم ہوتا تھا کہ ابھی اچھلے گا اور

ناصر پر جا پڑے گا۔ دُوسری طرف ناصر کے بھی کچھ ایسے ہی تیور تھے۔ میں نے رائفل اُٹھا کر کندھے سے لگا لی مگر یہ دیکھ کر کہ شیر کا سر دوسری طرف ہے۔ میں نے مایوسی سے رائفل پھر نیچے رکھ دی۔ اگر میں گولی چلا دیتا اور نشانہ خطا جاتا تو ناصر کا خاتمہ یقینی تھا۔ میں دھڑکتے دل کے ساتھ انتظار کرنے لگا کہ دیکھیے اب کیا ہونا ہے؟

ہم نے ایسے موقعوں کے بارے میں اکثر باتیں کی تھیں کہ اچانک کسی شیر سے سامنا ہو جائے تو کیا کرنا چاہیے اور خالد نے ہمیں بتایا تھا کہ اس وقت بھاگنا دوڑنا یا کسی قسم کی کوئی اور حرکت کرنا سخت خطرناک ہوتا ہے۔ بہترین طریقہ یہ ہے کہ شیر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بالکل چُپ چاپ کھڑے رہیں۔ کچھ دیر بعد شیر میدان چھوڑ کر بھاگ جائے گا۔ جونہی وُہ واپس جانے لگے، آپ بجلی کی سی تیزی کے ساتھ رائفل اٹھائیں اور اس کے دل کا نشانہ لے کر گولی چلا دیں۔ اگر آپ اچھے شکاری ہیں تو آپ ضرور شیر کو ہلاک کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔

میں شیر پر گولی نہیں چلا سکتا تھا کیونکہ وُہ میرے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نشانے کی زد میں نہ تھا۔ مگر یہ دیکھ کر میرے ہوش اُڑ گئے کہ مَیں ناصر کی گولی کی زد میں بیٹھا تھا۔ اگر وُہ موقع ملنے پر شیر پر گولی چلاتا ہے اور خدا نخواستہ وُہ نشانے پر نہیں لگتی تو میرا خاتمہ یقینی ہے۔ اب میرے لیے ایک نئی مشکل پیدا ہو گئی تھی۔ اگر میں یہیں بیٹھا رہتا ہوں تو ناصر کی گولی کا نشانہ بن جاؤں گا۔ اور اگر کسی دوسری محفوظ جگہ پر جانا چاہتا ہوں تو ہوسکتا ہے کہ ناصر کی توجہ میری طرف ہو جائے اور وُہ جونہی میری طرف دیکھے، شیر اس کی تکا بوٹی کر دے۔

میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ ایک طرف اپنی جان کا خطرہ تھا دُوسری طرف ناصر کی جان کا۔ سخت مشکل تھی۔ آخر یہ سوچ کر کہ ناصر اتنا اناڑی تو نہیں ہے کہ اتنی قریب سے اس کا نشانہ خطا ہو جائے۔ مَیں وہیں بیٹھا رہا۔

مجھے زیادہ دیر انتظار نہ کرنا پڑا۔ شیر ناصر کی جُرأت اور حوصلے کی تاب نہ لا کر پیچھے کی طرف مُڑا اور واپس جانے لگا۔ اچانک مجھے خیال آیا کہ اب شیر میرے بالکل قریب سے گزرے گا اور اس طرح میرے نشانے کی زد میں ہو گا۔ مَیں نے جھٹ رائفل اُٹھا کر نالی کا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رُخ اس کی طرف کر دیا۔ عین اسی وقت بجلی کی سی تیزی سے ناصر نے رائفل اٹھائی اور لبلبی دبا دی۔ جنگل کے سناٹے میں گولی کی آواز گونجی مگر شیر کی خوف ناک دھاڑ میں دب کر رہ گئی۔ شیر جنگل کی طرف نہیں بلکہ سیدھا میری طرف جھپٹا۔ ایک لمحہ ضائع کیے بغیر مَیں نے بھی نشانہ لیا اور دونوں گھوڑے دبا دیے۔

مَیں یہ بھول گیا تھا کہ اس وقت میرے ہاتھ میں خالد کی بھاری رائفل ہے جو ہاتھی کے شکار میں کام آتی ہے۔ مَیں نے ہلکی رائفل سمجھ کر احتیاط نہ کی تھی۔ نتیجہ یہ ہُوا کہ اتنے زور کا دھکا لگا کہ کندھے کا جوڑ ہل گیا اور شدید درد سے میرے مُنہ سے چیخ نکل گئی۔ اس کے بعد مَیں زمین پر لڑھک گیا۔ مَیں نے اپنے حواس قائم رکھنے کی بڑی کوشش کی اور ایک بار زمین سے اُٹھنا بھی چاہا مگر ناکام رہا۔

"ہیلو! ناصر! کہاں ہو تم؟" مجھے خالد کی آواز سُنائی دی۔ "مَیں نے گینڈے کا خاتمہ کر دیا ہے۔ وہ تو مجھ پر چڑھ دوڑا تھا۔" "مگر تم لوگ ہو کہاں؟" وہ پکار رہا تھا۔ مَیں نے اُسے جواب دینا چاہا مگر مُنہ سے آواز نہ نکل سکی اور پھر مَیں بے ہوش ہو گیا۔

دوستوں کے پاس

جب میرے ہوش ٹھکانے ہُوئے تو مَیں نے اپنے آپ کو کیمپ میں پایا۔ آگ کے الاؤ کے قریب خالد میرا سرا اپنے زانو پر رکھے بیٹھا تھا۔ اور ناصر سے کہہ رہا تھا۔

"نہیں کوئی ایسی شدید چوٹ نہیں آئی۔ بس ذرا کندھے کا جوڑ اپنی جگہ سے ہل گیا تھا۔ جلد ہی ہوش میں آجائے گا۔"

مَیں نے آنکھیں کھول دیں اور خالد کو دیکھ کر بولا۔

"کیا ہُوا خالد؟"

"شکر ہے خدا کا تم ہوش میں آ گئے ہمیں تو سخت فکر ہو رہی تھی۔ بھئی آج تو ہم لوگوں نے بڑے معرکے مارے ہیں۔" خالد بولا۔

"کچھ بتاؤ گے بھی یا پہیلیاں ہی بُجھواؤ گے۔" مَیں نے کراہتے ہوئے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"لو پہلے چائے پی لو۔" خالد نے میرے لبوں سے پیالی لگاتے ہوئے کہا۔ مَیں نے چند گھونٹ بھرے جن سے کچھ سکون محسوس ہُوا۔

"اب بتاؤ۔" مَیں نے بیقراری سے پوچھا۔ "کیا ہُوا تھا؟"

"سُنو!" خالد بولا۔ "آج ہم نے ایک زرّافہ، ایک گینڈا اور ایک شیر ببر شکار کیے ہیں۔"

"شیر مر گیا تھا!" مَیں نے اُٹھنے کی کوشش کرتے ہُوئے پوچھا۔ "نہ۔ نہ چُپ چاپ لیٹے رہو۔" خالد نے مجھے لٹاتے ہُوئے کہا۔ "مَیں تمہیں بتاتا ہوں۔ شیر بھی مر گیا ہے۔ اور ناصر بھی مرتے مرتے بچا ہے۔ تم ایک ہی وقت میں دو شکار کرنے لگے تھے۔" وہ ہنسا۔

"کیا مطلب؟" مَیں نے حیران ہو کر پوچھا۔

"ارے میاں تم تو ناصر کی کھوپڑی میں سُوراخ کرتے کرتے رہ گئے۔" میں نے تنگ آ کر کہا۔ "ہُوا کیا تھا؟"

"ہُوا یہ تھا۔" اُس نے مزے لے لے کر کہنا شروع کیا۔ "جب شیر تمہاری طرف بڑھا تو تم نے رائفل کے دونوں گھوڑے دبا کر اس پر ایک ساتھ دو فائر کر دیے ان میں سے ایک گولی تو خوش قسمتی سے شیر کے

کُھلے ہُوئے مُنہ میں لگی اور اس کی کھوپڑی کے ٹکڑے ٹکڑے کر گئی۔ دُوسری گولی نے ناصر کا رُخ کیا اور اس کے سر سے دو انچ اُدھر ایک درخت کے تنے میں گھُس گئی۔"

"آہ" مَیں نے اطمینان کا گہرا سانس لیا۔ "شکر ہے۔"

"تم یہ بھُول گئے تھے کہ تمہارے پاس اپنی نہیں میری بھاری رائفل ہے؟" خالد نے کہا۔ "بھلے آدمی اتنے دھکے سے تو کندھا ٹوٹ جایا کرتا ہے۔ شکر کرو تمہارا صرف جوڑ اُترا۔" مَیں نے کوئی جواب نہ دیا اور خاموش رہا۔

خالد نے میرا جوڑ چڑھا دیا تھا مگر کندھے میں اب تک اتنی تکلیف تھی کہ ہمارے لیے سفر پر روانہ ہونا ممکن نہ تھا۔ چنانچہ دو دن اور وہاں رُکنا پڑ گیا۔ دو دن کے بعد مَیں بالکل ٹھیک ہو گیا اور یُوں ہم دوبارہ سفر پر روانہ ہو گئے۔

ہمیں یہ فکر کھائے جا رہی تھی کہ کہیں وُہ پُرتگالی سوداگر ہمارے وہاں پہنچنے سے پہلے ہی اپنا کام کر کے جا نہ چُکا ہو۔ ہم تو اپنے دوستوں کو حملے سے پہلے خبردار کرنا چاہتے تھے تاکہ بچاؤ کی کوئی صورت نکل

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سکے۔ اگر خدانہ کرے وُہ پہلے پہنچ گیا تو جانے اُن کا کیا حشر ہو۔ میکرارُو خاصا پریشان تھا۔اور اپنی ہونے والی بیوی اوکنڈا کو بچانے کے لیے اُڑ کر وہاں پہنچ جانا چاہتا تھا۔ اب وہ بہت کم بات کرتا تھا اور صرف پوچھنے پر ہی کچھ کہتا تھا۔اس کی خوش مزاجی رُخصت ہو چکی تھی۔ ہم اس کی حالت کو خوب اچھی طرح سمجھتے تھے۔اس لیے ہم نے اُسے اس کے حال پر چھوڑ دیا تھا۔

باوجود اس کے کہ مَیں بھی سخت پریشان تھا، جنگل کے خوبصورت اور دل کش مناظر، عجیب وغریب جانور اور پودے میری توجّہ کو پھر بھی اپنی طرف کھینچ لیتے مَیں انہیں غور سے دیکھتا، ان کے بارے میں معلومات جمع کرتا اور رات کو جب ہم پڑاؤ ڈالتے تو آگ کی روشنی مین اپنی نوٹ بُک مین ساری معلومات درج کر لیتا۔ میرا یہ مشغلہ آخر تک جاری رہا۔

ایک بار ہمارا گزر ایک ایسے علاقے سے ہُوا جہاں کوئی ندی نالہ نہ تھا۔ ہاں ایک خشک دریا میں کہیں کہیں تالابوں کی شکل میں بارشوں کا پانی کھڑا تھا۔ اس علاقے میں وحشی قبیلے، خونخوار درندے اور دُوسرے

جانور کثرت سے تھے۔یہاں مجھے سب سے زیادہ حیرت انگیز اور عجیب چیز جو نظر آئی اسے دیکھ کر مَیں خدا کی قدرت پر عش عش کر اٹھا۔ اس علاقے میں ایک خاص قسم کی بیل پیدا ہوتی ہے جس کی جڑیں زمین میں دُور تک چلی جاتی ہیں۔ یہ جڑیں خاصی موٹی ہوتی ہیں۔اور ان کے اندر پانی بھرا ہوتا ہے۔ ہم نے ایسی بہت سی جڑیں کھود کر اپنے ساتھ لے لیں اور جب ہمیں پانی نہ ملتا تو ہم ان جڑوں سے نکال کر پی لیتے

ایک دن ہم نے ایک جگہ کیمپ لگایا تو وہاں ایک عجیب وغریب درخت دکھائی دیا اس کے چھ تنے تھے اور وہ سب آپس میں جُڑے ہُوئے تھے۔مَیں نے تنے کا گھیر ناپ کر دیکھا تو وُہ چوراسی فٹ تھا۔مَیں نے اپنی زندگی میں اتنا لمبا چوڑا درخت کبھی نہیں دیکھا تھا۔

ہم کھانا بھی پکا رہے تھے اور آپس میں درخت کے بارے میں باتیں بھی کر رہے تھے۔اب ہم سردار مبانگو کی بستی سے زیادہ دُور نہیں تھے۔ صرف ایک دن کا سفر اور رہ گیا تھا۔ میکرارُو لکڑیاں اکٹھی کرنے کے لیے گیا ہُوا تھا۔جب وہ آیا تو کچھ کھویا کھویا سا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"کیا بات ہے میکرارُو؟" ناصر نے پوچھا۔ "تم پریشان نظر آ رہے ہو؟"

"صاحب یہاں قریب ہی ایک خوفناک جنگ ہُوئی ہے۔ میرا خیال ہے کہ پرتگالی لٹیرا کسی قبیلے کو غلام بنا کر لے گیا ہے۔ یہ دیکھیے....." اس نے چند خون آلود تیر ہمیں دکھاتے ہُوئے کہا۔

"ہوسکتا ہے کہ انہوں نے یہاں جانوروں کا شکار کیا ہو۔" ناصر نے کہا۔

"نہیں صاحب! مَیں وُہ جگہ اپنی آنکھوں سے دیکھ کر آیا ہوں۔ وہاں انسانوں کی لاشیں پڑی ہوئی ہیں۔"

"آؤ، چل کر ہمیں دکھاؤ۔" ناصر نے کہا۔ مَیں اور خالد بھی فوراً اُٹھ کھڑے ہُوئے۔

میکرارُو فوراً ہمیں اس جگہ لے گیا جو ہمارے کیمپ سے سو گز دُور ہو گی۔ واقعی وہاں جنگ لڑی گئی تھی۔ جگہ جگہ ٹوٹے ہُوئے ہتھیار اور انسانوں کے کٹے ہُوئے ہاتھ پاؤں پڑے تھے۔

"یہ کارستانی اسی پرتگالی کی ہے۔" جب ہم واپس کیمپ کو آ رہے تھے تو ناصر نے کہا۔ "معلوم نہیں وُہ کتنی دُور جا چکا ہے۔ کاش ہم وقت پر پہنچ جاتے۔"

"صاحب وہ زیادہ دُور نہیں گیا ہو گا۔ اگر ہم اس کا تیزی سے پیچھا کریں تو اب بھی اپنے دوستوں کو بچا سکتے ہیں۔" میکرارُو نے کہا۔

"ہم اس کا پیچھا ہی کرنا چاہتے ہیں میک۔" ناصر نے کہا۔

"مگر یہ بھی تو سوچو کہ اگر ہم نے آرام نہ کیا اور بغیر کھائے پیے چل پڑے تو بھوک اور تھکاوٹ کی وجہ سے ہم زیادہ سفر نہ کر سکیں گے اور اگر وقت پر اپنے دوستوں کے پاس پہنچ بھی گئے تو اس قابل نہ ہوں گے کہ پرتگالی سے لڑ سکیں۔ کچھ دیر آرام کر لو اور خوب کھا پی لو اس کے بعد ان کا پیچھا کریں گے۔"

ناصر کی بات معقول تھی۔ ہم نے پہلے تو خوب پیٹ بھر کے کھانا کھایا۔ اور اس کے بعد سونے کے لیے لیٹ گئے۔ کوئی ڈیڑھ گھنٹے کے بعد میکرارُو نے ہمیں جگا دیا اور ہم جلدی سے تیار ہو کر پھر سفر پر روانہ ہو گئے۔ اندھیرا زیادہ نہیں تھا۔ چاندنی ہر طرف پھیلی ہوئی تھی اس لیے راستے کی تلاش میں ہمیں زیادہ پریشانی کا سامنا نہ کرنا پڑا۔ ویسے ہمارے چاروں طرف جنگلی جانوروں کی آوازیں گونج رہی تھیں۔ ان میں شیر، چیتوں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اور گینڈوں کے علاوہ گیدڑوں، ہرنوں اور بندروں کی آوازیں بھی شامل تھیں۔ بعض وقت تو کوئی آواز اس قدر قریب سے سنائی دیتی کہ ہم اُچھل پڑتے۔ چند بار تو ہم نے آوازوں کی سمت فائر بھی کر دیے کہ کہیں کوئی جانور اچانک ہم پر حملہ ہی نہ کر دے۔ ان فائروں کا اثر یہ ہُوا کہ ہم بغیر کسی نقصان کے بڑھتے چلے گئے اور صبح ہونے تک گھنے جنگل سے گزر کر ایک میدانی علاقے میں داخل ہو گئے۔ یہاں ہمیں درندوں کا خطرہ نہ تھا۔ سُورج نکل ہی رہا تھا کہ ہم سردار مبانگو کی بستی کے قریب پہنچ گئے۔ بستی میں سنسانی سی دیکھ کر ہمیں یقین ہو گیا کہ پُرتگالی سوداگر ہم سے پہلے یہاں پہنچ چکا ہے۔

ہم تیزی سے بستی کی طرف بڑھے مگر وہاں اب کیا رکھا تھا۔ سارا گاؤں تباہ و برباد ہو چکا تھا۔ بہت سے مکانوں کو آگ لگا دی گئی تھی۔ اور وُہ جل کر راکھ ہو چکے تھے۔ بدنصیب قبیلے والوں کی لاشیں گلیوں میں پڑی تھیں۔ ان میں سے بہت سی تو آگ میں جل چکی تھیں، کچھ جنگلی جانوروں نے کھا لی تھیں۔ ایک درخت کے ساتھ ہمیں ایک عورت کی لاش

رسّے سے بندھی ہوئی نظر آئی۔ اُس کے چہرے پر تکلیف، خوف اور دہشت کے آثار اب تک نظر آ رہے تھے۔

پُرتگالی کے یہ ظلم دیکھ کر ہمارے دِل خُون کے آنسو رونے لگے۔ ہمیں یہ امُید نہ تھی کہ وُہ اتنا بے درد اور ظالم ہو گا۔

ہم جلدی سے اس جھونپڑے کی طرف بڑھے جس میں سردار مبانگو رہتا تھا۔ مگر وُہ بھی آگ لگا کر راکھ کر دیا گیا تھا۔ یہاں پر ہمیں ملبے میں پڑی ہُوئی ایک بچّے کی لاش بھی نظر آئی جس کے ٹکڑے کر دیے گئے تھے۔ ہمیں بے اختیار سردار مبانگو کا وُہ بچّہ یاد آگیا جسے ہم نے اس کی بیوی کے ساتھ اس وقت دیکھا تھا جب وُہ اوکنڈا کو اپنے ساتھ لے جانے کے لیے آئی تھی۔ مَیں نے آگے بڑھ کر بچّے کو پہچاننے کی کوشش کی مگر اس کی صُورت اس قدر بگڑ چکی تھی کہ پہچاننا ممکن نہ تھا۔

"توبہ! توبہ! کس قدر ظالم ہیں۔ بچّے پر بھی رحم نہ کیا۔" مَیں نے کہا۔ "اس معصوم نے ان کا کیا بگاڑا تھا۔ یہ تو ظلم کی انتہا ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میکرارُو کی حالت بہت ابتر تھی۔ وُہ پاگلوں کی طرح لاشوں کو اُلٹ پلٹ کر دیکھ رہا تھا۔ اس نے اب تک ایک لفظ بھی زبان سے نہ نکالا تھا۔ مگر اُس کے دل کی حالت اُس کے چہرے سے صاف ظاہر تھی۔ آخر تھک ہار کر وہ میرے پاس آکر کھڑا ہو گیا۔ مجھ میں اتنی ہمت نہ تھی کہ اسے تسلّی دیتا۔ میرا دل تو خود ڈوبا جا رہا تھا۔ ایسے مشکل وقت میں ناصر کے اوسان کبھی خطا نہیں ہوتے۔ وُہ میکرارُو کو تسلّی دیتے ہوئے بولا۔

"مایوسی کی کوئی بات نہیں۔ یہ ٹھیک ہے کہ یہاں بہت خون خرابہ ہوا ہے۔ مگر دو چیزیں دیکھنے والی ہیں ایک تو یہ کہ ان میں زیادہ تر مَردوں کی لاشیں ہیں جن کا مطلب یہ ہے کہ عورتیں محفوظ ہوں گی۔ دوسرے پُرتگالی نے زیادہ سے زیادہ آدمیوں کو زندہ گرفتار کرنا چاہا ہو گا اور صرف ان لوگوں کو ہلاک کیا ہو گا جنھوں نے اس کا ڈٹ کر مقابلہ کیا ہو گا۔"

"مگر ایک بات اور بھی ہے۔" خالد نے کہا۔ "پرتگالی کے ساتھ جو پارٹی تھی ان کی تعداد اتنی زیادہ نہ تھی کہ وُہ اتنے بڑے قبیلے کو غلام بنا کر لے جانے میں

کامیاب ہو جائے۔"

مَیں نے کہا۔ "اُس نے سردار مُبانگو کے دشمن قبیلوں کو اپنے ساتھ ملا لیا ہو گا۔ پھر یہ بھی ناممکن ہے کہ سارا قبیلہ ہی گرفتار ہو گیا ہو۔ کچھ لوگ جنگل میں بھاگ گئے ہوں گے۔ ہو سکتا ہے کہ اُن میں سردار اور اس کے بیوی بچّے بھی ہوں۔ اوکنڈا بھی اُنھیں کے ساتھ ہو گی۔"

"خیر فرض کرو وہ گرفتار بھی ہو گئے ہوں پھر بھی کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ہم اُنھیں چھڑا سکتے ہیں۔ لیکن یہ پتا کس طرح چلے کہ وہ کس طرف گئے ہیں۔" ناصر نے کہا۔

"تمھارا مطلب ہے کہ ہم پرتگالی پر حملہ کر کے اُنھیں چھڑا لیں گے؟" مَیں نے حیران ہو کر پُوچھا۔

"ہاں! لیکن تم حیران کیوں ہو رہے ہو؟ لڑنے سے گھبراتے ہو؟"

"نہیں ناصر، مَیں بُزدل نہیں ہوں۔ مظلوموں کی حمایت میں میری جان بھی چلی جائے تو مجھے پروا نہیں۔" مَیں نے کہا۔ "مگر ہم چار آدمی پچاس ساٹھ آدمیوں پر فتح حاصل نہیں کر سکتے۔ ہاں۔ اپنی جانیں ضرور دے سکتے ہیں۔"

"ہم یہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ اچانک کسی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے کراہنے کی آواز سُنائی دی۔ پھر یکایک کچھ فاصلے پر ایک جلے ہوئے جھونپڑے کے ملبے میں ہمیں کوئی چیز حرکت کرتی ہوئی نظر آئی۔ پہلے تو ہم سمجھے شاید کوئی جانور ہے۔ مگر چند لمحے بعد وہ حرکت کرتی ہوئی چیز اُٹھ کر بیٹھ گئی۔ ہم نے غور سے دیکھا وُہ ایک عورت تھی۔ اس کا سارا جسم خون اور راکھ میں لتھڑا ہُوا تھا۔ اور اس کی گود میں ایک ننھے سے بچے کی لاش تھی۔

اُس نے ابھی تک ہمیں نہیں دیکھا تھا۔ اُس کا دھیان اپنے مُردہ بچے کی طرف تھا۔ وُہ بار بار بچے کی لاش کو سینے سے لگا کر بھینچ لیتی اور ایسے دردناک انداز میں روتی کہ ہمارے دل کانپ کانپ جاتے۔ اس کا یہ حال دیکھ کر بے اختیار میری آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

ہم پہلے تو خاموشی سے کھڑے دیکھتے رہے پھر ناصر بولا۔

"میک! اُسے تسلی دو اور پوچھو کہ وُہ ظالم کس طرف کو گئے ہیں؟"

میکرارُو خاموشی سے عورت کی طرف بڑھا۔ عورت

نے اس کے قدموں کی آہٹ سُن کر دہشت زدہ نظروں سے پہلے میکرارُو کو اور پھر ہمیں دیکھا اور پھر زخمی ہرنی کی طرح اُچھلی اور اپنے مُردہ بچے کو سینے سے چمٹا کر چیخیں مارتی ہوئی جنگل کی طرف بھاگ کھڑی ہوئی۔

"بھاگو، پکڑو،" ناصر نے اس کے پیچھے دوڑتے ہوئے کہا۔ "صرف اسی سے ہمیں پرتگالی کے بارے میں معلوم ہو سکتا ہے۔"

ہم بھی اس کے پیچھے بھاگ اُٹھے۔ وُہ عورت سیدھی جنگل میں جا گھُسی اور دیر تک ہمیں اِدھر اُدھر دوڑاتی رہی۔ آخر کار تھک کر چُور ہو گئی۔ اور زمین پر گر کر زور زور سے چیخنے لگی۔

خالد عورت کے قریب پہنچ گیا تھا۔ ہم ابھی پیچھے تھے۔ اس نے بڑی عقل مندی کا ثبوت دیا۔ اُس نے جلدی سے اپنی رائفل اتاری اور عورت کے سامنے زمین پر پھینک دی۔ اس کے بعد شکاری چاقو والی پٹی بھی کھول کر ایک طرف ڈال دی۔ پھر اُس نے اپنے دونوں خالی ہاتھ پھیلا دیئے۔ اور عورت کے سامنے چُپ چاپ کھڑا ہو گیا۔ عورت حیرت سے اُس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کی طرف دیکھنے لگی۔ ہم نے بھی قریب پہنچ کر اپنے اپنے ہتھیار اتار کر ایک طرف رکھ دیے۔ اب وُہ شاید سمجھ گئی تھی کہ اسے ہم سے کوئی خطرہ نہیں۔ وہ خاموش اور ویران نظروں سے ہماری طرف دیکھنے لگی۔

"میک! آگے بڑھو اور اسے بتاؤ کہ ہم کون ہیں۔ اس سے پرتگالی کے بارے میں پوچھو۔" ناصر نے کہا۔

میکرارُو عورت سے باتیں کرنے لگا۔ اب اسے اچھی طرح اطمینان ہو گیا تھا۔ اور وُہ ساری باتیں پوری تفصیل سے بتا رہی تھی۔

عورت نے بتایا کہ پرتگالی تاجر نے رات کے اندھیرے میں چپکے سے گاؤں پر حملہ کر دیا تھا۔ سب لوگ سوئے پڑے تھے۔ اس نے پہرے داروں کو قتل کر کے خوب لوٹ مار مچائی اور بہت سی عورتوں، مردوں اور بچوں کو قید کر کے لے گیا۔ سردار مُبانگو، اُس کی بیوی اور ادکنڈا بھی قید کر لیے گئے ہیں۔"

"اس بات کو کتنی دیر ہو چکی ہے؟" ناصر نے پوچھا۔

"دو دن ہو گئے ہیں۔" میکرارُو نے جواب دیا۔

"پھر تو بڑی دیر ہو گئی۔" ناصر نے افسوس کرتے

ہوئے کہا۔

"اور صاحب، یہ کہتی ہے کہ اس کے بعد اُن کا ارادہ سردار جمبائی پر حملہ کرنے کا تھا۔"

"کاش ہم ایک دن پہلے آجاتے۔" خالد نے مایوسی سے کہا۔

ہم نے عورت سے چند اور باتیں پوچھیں اور اس نے بتایا کہ پرتگالی کے پاس زیادہ آدمی نہ تھے۔ اس لیے وُہ سردار جمبائی کے قبیلے پر حملہ کرتے ہوئے گھبرا رہا تھا۔ شاید وُہ سردار جمبائی کے دُشمن قبیلوں کے پاس جائے اور ان کے ساتھ مل کر سردار جمبائی پر حملہ کرے۔"

"اگر یہ بات درست ہے تو پھر ابھی ہم بہت کچھ کر سکتے ہیں۔ جب تک وُہ لڑائی کی تیاریاں کریں گے، اتنی دیر میں ہم سردار جمبائی کو خبردار کر دیں گے۔" ناصر نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ ہمیں اب ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کرنا چاہیے۔" میکرارُو، اُس عورت سے کہو کہ تم پاس کے کسی قبیلے میں چلی جاؤ۔ جب سردار مُبانگو آجائے تو واپس آجانا۔" خالد نے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہم نے اُسے کچھ کپڑے اور کھانے پینے کی چیزیں دیں اور پھر سردار جمبائی کی بستی کی طرف چل پڑے۔

ہم جلد سے جلد سردار جمبائی کے پاس پہنچ جانا چاہتے تھے تاکہ کم سے کم اس قبیلے کو تو بچا لیں۔ دن بھر چلتے اور رات کو بھی صرف اتنی دیر آرام کرتے کہ تھکان اُتر جائے۔ نتیجہ یہ ہُوا کہ ہم آدھے وقت میں اپنی منزل پر پہنچ گئے۔ جب ہمیں سردار جمبائی کا گاؤں نظر آیا تو یہ دیکھ کر ہمیں بے حد خوشی ہُوئی کہ اس میں چہل پہل تھی اور لوگ اطمینان سے کام کاج کر رہے تھے۔

سردار جمبائی نے بڑی محبت اور جوش سے ہمارا استقبال کیا۔ قبیلے کے نوجوانوں نے نعرے لگائے، ڈھول بجائے اور گانے گائے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ وُہ ہمیں اپنا دوست سمجھتے ہیں۔ یہ سوچ کر ہمیں بھی بہت خوشی ہوئی کہ اگر یہ ہمیں دوست سمجھتے ہیں تو ہم بھی دوستی کی لاج رکھنے کے لیے آن پہنچے ہیں۔

ہمارے ساتھ باری باری ہاتھ ملانے اور ناک

سے ناک رگڑنے کے بعد سردار ہمیں اپنے جھونپڑے میں لے گیا۔ اور ہماری خیر خیریت پوچھی۔ ہم نے اس کو بتایا کہ پُرتگالی اس کے گاؤں پر حملہ کرنے والا ہے تو پہلے تو اسے یقین نہیں آیا مگر جب ہم نے اُسے سردار مبانگو اور اس کے قبیلے پر گزری ہُوئی قیامت کا حال سُنایا تو وُہ بہت گھبرایا۔ ہم نے اُس کی ڈھارس بندھائی۔ اور وعدہ کیا کہ ہم بھی اس کے ساتھ گاؤں کی حفاظت کریں گے چاہے ہماری جان ہی کیوں نہ چلی جائے۔ یہ سُن کر اس کی آنکھیں خوشی سے چمکنے لگیں۔ اس نے بار بار ہمارا شکریہ ادا کیا۔ اور بار بار ہماری ناک سے ناک رگڑی۔

ہم نے سردار کو خوش دیکھ کر سچ سچ بتا دیا کہ اوکنڈا کو بچانے میں ہمارا ہاتھ تھا۔ ساتھ ہی ہم نے اوکنڈا اور میکرارُو کی جان بخشی کی درخواست کی جو اُس نے فوراً منظور کر لی اور ہمیں معاف کر دیا۔ مگر اس نے ہمیں ہدایت کی کہ اس بات کا قبیلے کے کسی دُوسرے آدمی کو پتا نہ چلنے پائے۔

اس کے بعد ہم نے مقابلے کی تیاریاں شروع

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کیں اور سب نے ایک رائے ہو کر ناصر کو اپنا جنرل بنا لیا اور عہد کیا کہ اُسی کے حکم پر سب چلیں گے۔ سردار نے اپنے قبیلے کے لوگوں کو بھی یہ بات بتا دی۔ اس کے بعد ناصر جلدی سے اٹھا اور خالد سے بولا۔

"تم میرے ساتھ آؤ۔ ہم گاؤں کا چکر لگا آئیں۔ اس کے بعد کوئی قدم اٹھائیں گے۔ اصغر اتنی دیر میں میکارڈو کے ساتھ جھونپڑے میں چیزیں رکھواتا اور کھانے وغیرہ کا انتظام کرواتا ہے۔"

"بہت بہتر جنرل صاحب۔" خالد نے اُٹھتے ہوئے کہا۔ "اب تو آپ کا حکم ماننا ہی پڑے گا۔"

ہم نے سردار سے اجازت لی اور جھونپڑے سے باہر نکل آئے۔

مقابلے کی تیاری

ناصر اور خالد نے گاؤں کا اچھی طرح معاینہ کرنے کے بعد جو پروگرام بنایا وُہ کچھ یوں تھا۔ کچھ ہوشیار آدمیوں کو اسی رات جنگل میں دُور دُور تک پھیلا دیا جائے ان کا کام یہ تھا کہ نگرانی اور اس کی پارٹی کو آتے دیکھیں تو فوراً گاؤں میں پیغام بھجوا دیں۔ اس کے علاوہ وُہ یہ معلوم کرنے کی بھی کوشش کریں کہ سردار مباٹگو، اس کی بیوی بچّے اور اوکنڈا ان کے ساتھ ہیں یا نہیں؟

باقی تمام لوگ گاؤں ہی میں رہیں گے۔ ناصر انہیں دو دستوں میں تقسیم کر دے گا۔ ایک دستہ ان لوگوں کا ہو گا جن کے پاس بندوقیں ہیں اور دُوسرا دستہ اُن کا جن کے پاس تیر کمان اور بھالے وغیرہ ہیں۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بندوقوں والے سپاہی ناصر کی کمان میں اور باقی لوگ میری کمان میں رہیں گے۔ خالد کے ذمے ایک خاص کام سونپا گیا۔ جس کا ذکر آپ آگے پڑھیں گے۔

رات کے کھانے سے فارغ ہونے کے بعد ہم نے چند ہوشیار اور سمجھ دار نوجوانوں کو چُنا۔ اور انہیں اچھّی طرح سمجھا کر جنگل میں پھیلا دیا۔ اِس کے بعد گاؤں کے بیچوں بیچ آگ کا بہت بڑا الاؤ روشن کیا گیا۔ اور قبیلے کے سب جوانوں کو وہاں جمع ہونے کے لیے کہا گیا۔

جب سب لوگ جمع ہو گئے تو سردار نے ان کے سامنے ایک لمبی چوڑی تقریر کی جس میں اُنہیں اس خطرے کے متعلق بتایا جو ان کے سروں پر منڈلا رہا تھا۔ پھر سردار نے انہیں ہمارے بارے میں تفصیل سے بتایا کہ ہم کس طرح مصیبتیں سہتے اور تکلیفیں اُٹھاتے اُنہیں خطرے سے آگاہ کرنے کے لیے آئے ہیں۔ یہ سُن کر لوگوں نے محبت اور شکر گزار نظروں سے ہمیں دیکھا۔ اِس کے بعد سردار نے اُن سے کہا کہ وُہ ناصر کو اپنا سردار سمجھیں اور اُسی کے حکم پر عمل کریں۔ اگر کسی نے نافرمانی کی تو اُسے خونی

کتّوں کے سامنے ڈال دیا جائے گا۔

پھر تالیوں کی گونج میں ناصر اُٹھا اور اُس نے اپنی تقریر شروع کی۔ مَیکرارُو اس کا ترجمہ کرتا جاتا تھا۔ سب سے پہلے اس نے سردار کا شکریہ ادا کیا۔ اس کے بعد اپنے سفر کا مختصر لفظوں میں ذکر کیا۔ پھر اس نے گاؤں کے لوگوں کو چند ضروری باتیں سمجھائیں اور خاص طور پر تین لفظوں کا مطلب اور ان پر عمل کرنے کا طریقہ انہیں سمجھایا۔ وُہ تین الفاظ یہ تھے۔ فارورڈ ۔۔ ہالٹ اور ۔۔ فائر۔ اُس نے کہا کہ جب انہیں فارورڈ کا حکم دیا جائے وُہ تیزی سے آگے بڑھیں۔ جب ہالٹ کہا جائے تو فوراً رُک جائیں گے۔ اور جب فائر کا حکم دیا جائے تو بندوقوں والے بندوقیں اور تیر کمانوں والے تیر چلانا شروع کر دیں۔

جب ناصر نے انہیں سب کچھ اچھّی طرح سمجھا دیا تو چند جوانوں کو روک کر باقی سب کو اپنے اپنے گھر چلے جانے کی اجازت دے دی لیکن انہیں بتا دیا گیا کہ جونہی انہیں بلایا جائے فوراً اپنے اپنے ہتھیار لے کر چلے آئیں۔

"اچھّا مَیک! اب تم میرے ساتھ آؤ۔ ہم گاؤں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں مختلف جگہوں پر پہرے دار مقرر کریں گے۔ ان کا کام یہ ہوگا کہ اگر کسی غیر آدمی کو دیکھیں تو پکڑ کر ہمارے سامنے پیش کریں اور گاؤں کی حفاظت کا پورا پورا خیال رکھیں۔" ناصر نے کہا۔

"میں سمجھ گیا صاحب۔" میکرارُو نے کہا۔ "میں بھی اس کام کے متعلق کچھ جانتا ہوں۔"

"ضرور جانتے ہو گے مگر اتنا نہیں جتنا میں جانتا ہوں۔" ناصر نے کہا۔ "تم میرے ساتھ آؤ اور ہاں ان لوگوں کو ایک مرتبہ پھر سمجھا دو کہ ہر شخص چوکنا رہے اگر کوئی آدمی سوتا ہُوا پایا گیا تو اُسے وہی سزا دی جائے گی۔ جس کا ابھی سردار نے ذکر کیا تھا۔"

میکرارُو، ناصر اور خالد تو اُدھر چلے گئے۔ اور میں واپس جھونپڑے میں آگیا۔ کھانا تو ہم کھا چکے تھے۔ اب کرنے کے لیے کوئی کام نہ تھا۔ میں نے اپنی رائفل اٹھائی اور اُسے صاف کرنے لگا۔

اگلی صبح ہمیں ذرا جلدی ہی جگا دیا گیا۔ کیونکہ ہمارے بھیجے ہُوئے جاسُوسوں میں سے ایک واپس آگیا تھا۔ ہم نے فوراً اسے اپنے جھونپڑے میں بلالیا اس نے ہمیں بتایا کہ گاؤں سے کوئی پندرہ میل کے

فاصلے پر ایک تالاب کے کنارے پر ٹکالی اور اس کے ساتھی کیمپ لگائے پڑے ہیں۔ اس کے ساتھ کافی نوجوان ہیں جو اس نے شاید کسی قبیلے سے حاصل کیے ہیں۔ ہمارا یہ جاسوس خاصا ہوشیار اور سمجھ دار تھا۔ وُہ جھاڑیوں میں رینگتا ہُوا اُن کے اس قدر قریب چلا گیا تھا کہ ان کی باتیں بھی سُن لی تھیں۔ اس نے ان کی باتوں سے اندازہ لگایا تھا کہ حملہ اگلے روز آدھی رات کو ہونے والا ہے۔

جاسُوس نے بتایا کہ ان کے ساتھ بہت سے قیدی بھی ہیں جن میں مرد، عورتیں اور بچے سبھی شامل ہیں۔ اب ہمیں یقین ہو گیا کہ سردار مبانگو، اس کے بیوی بچے اور اوکنڈا بھی انہیں قیدیوں میں ہوں گے۔

"تم فکر نہ کرو میک،" ناصر نے کہا۔ "ہم ضرور اپنے دوستوں کو ان ظالموں کی قید سے رہا کر لیں گے۔"

"ٹھیک ہے صاحب۔" میکرارُو نے جواب دیا۔ "لیکن کیوں نہ ہم ابھی چُھپکے سے ان پر حملہ کر دیں؟"

"نہیں! اتنی جلد بازی ٹھیک نہیں۔" ناصر نے کہا۔ "تم اپنے جاسوس سے پُوچھو کہ اور بھی کوئی بات

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہے یا بس؟"

" یہ کہتا ہے صاحب کہ جب وہ یہ ساری باتیں معلوم کر کے واپس آ رہا تھا تو راستے میں اُسے ایک چھوٹا سا بچہ ملا۔"

" بچہ!" ناصر نے حیران ہو کر پوچھا۔ "کہاں سے ملا؟"

" جنگل میں وہ ایک جھاڑی کے پاس پڑا رو رہا تھا۔ یہ ترس کھا کر اس کو اپنے ساتھ لے آیا۔ وہ کئی روز کا بھوکا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اُس کی ماں لڑائی میں ماری گئی ہے۔"

ہم چاروں اس آدمی کے ساتھ اس کے جھونپڑے میں آئے۔ وہاں اس کی تینوں بیویاں ایک بچے کو کوئی دوا پلا رہی تھیں۔ ہم نے آگے بڑھ کر بچے کو دیکھا۔ اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور اُسے تسلّی دی۔ پھر ہم نے میکرارُو سے کہا کہ وہ بچے سے پوچھے وہ کِس کا بیٹا ہے اور اس کے ماں باپ کہاں ہیں۔ بچے نے میکرارُو کو جو کچھ بتایا اُسے سُن کر ہم اُچھل پڑے۔ وہ سردار مبانگو کا لڑکا تھا۔ ظالم پرتگالی اس کے ماں باپ کو تو پکڑ کر لے گیا۔ اور اِسے جنگل میں پھینک گیا۔

ہم تینوں عورتوں کو بچے کا خیال رکھنے کی ہدایت دے کے واپس چلے آئے اور فوراً قبیلے کے لوگوں کو جمع ہونے کے لیے کہا۔

جب سب لوگ جمع ہو گئے تو پہلے ناصر نے ان کے دو الگ الگ گروہ بنائے۔ جن کے پاس بندوقیں تھیں وہ الگ اور جن کے پاس دوسرے ہتھیار تھے، وہ الگ۔ بندوقوں والے جوان بھی ڈیڑھ سو کے قریب نکل آئے۔ وہ لوگ جن کے پاس تیر کمان، بھالے، خنجر اور دوسرے ہتھیار تھے۔ اُن میں ایک بڑی تعداد کو گاؤں کی حفاظت کے لیے مقرر کیا گیا۔ اور اُن کا سردار جبائی کو بنایا گیا۔ بندوقچیوں میں سے سو جوان الگ کر کے خالد کو دے دیے گئے۔ پچاس بندوقچی اور ایک سو تیر کمانوں والے لوگ مجھے دیے گئے۔ باقی تمام جوانوں کو ناصر نے اپنے پاس رکھا۔ ان میں زیادہ تر نیزے اور تیر کمانوں والے جوان تھے۔ میکرارُو کو خالد کا نائب مقرر کیا گیا تھا۔

" اچھا میکرارُو۔ اب تم ان سے کہو کہ مَیں انہیں کچھ ہدایات دینا چاہتا ہوں۔ سب لوگ دھیان سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سُنیں"۔ تمام لوگ خاموش ہو کر ناصر کی طرف دیکھنے لگے۔ ناصر اُٹھا اور اس نے کہنا شروع کیا۔

"سب سے پہلی اور ضروری بات یہ ہے کہ ہر جوان کو یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ اسے جو حکم دیا جائے وہ اس پر فوراً عمل کرے۔ سوچنا سمجھنا اس کے سردار کا کام ہے۔ وُہ صرف سردار کا حکم مانے۔ اگر سردار کہے۔"ہالٹ" تو فوراً رُک جاؤ۔ ایک قدم بھی آگے مت بڑھو۔ اگر سردار فارورڈ کا حکم دے تو بغیر کچھ سوچے سمجھے آگے بڑھو اور جو سردار کہتا ہے وُہ کرو۔"

اس کے بعد ناصر نے کل کے بتائے ہوئے تینوں لفظوں۔ ہالٹ، فارورڈ اور فائر کا مطلب ایک مرتبہ پھر ان کو اچھی طرح سمجھایا اس کے بعد اس نے سب سرداروں سے کہا کہ وُہ اپنے اپنے سپاہیوں کو ان تینوں لفظوں کی خوب مشق کروائیں۔ ہم فوراً ہی اپنے اپنے سپاہیوں کو لے کر میدان میں چلے گئے۔ اور انہیں فارورڈ، فائر اور ہالٹ کی خوب پریکٹس کروائی۔

اس کے بعد ناصر نے ہم تینوں سرداروں یعنی

مجھے، خالد اور میکرارُو کو بلایا اور کہا۔

"اب میں آپ کے سپاہیوں کا امتحان لینا چاہتا ہوں۔ آپ لوگ یہ کریں کہ اپنے اپنے دستوں کو لے کر الگ الگ سمتوں میں چلے جائیں۔ سردار جبائی کے دستے کی کمان میک کرے گا۔ اپنے دستے کو مَیں خود لیجاؤں گا۔ سردار جبائی اسی جگہ کھڑا رہے گا۔ جب آپ لوگ جنگل میں پہنچ جائیں۔ تو کسی ایسی جگہ جاکر رُک جائیں۔ جہاں سے آپ دشمن کو نظر نہ آسکتے ہوں۔ اس کے بعد ایک سگنل دیا جائے گا۔ جو نہی آپ سیٹی کی آواز سُنیں، فوراً اپنے اپنے دستے کو فارورڈ کا حکم دیں مگر یہ یاد رہے کہ چاروں دستوں کو ٹھیک ایک ہی وقت میں سردار جبائی کے پاس پہنچنا ہے۔ کوئی دستہ پہلے پہنچ رہا ہو تو رُک کر دُوسرے دستوں کے آنے کا انتظار کرے۔"

ہم نے اپنے اپنے دستوں کو ایک لائن میں کھڑا کیا۔ پھر ناصر کے اشارے پر ہم نے فارورڈ کا حکم دیا اور سب پوری رفتار سے جنگل کی طرف بھاگے۔ سردار جبائی حیرت زدہ اپنی جگہ پر کھڑا رہا اور ہم بجلی کی طرح اس کی نظروں سے اوجھل ہو کر جنگل

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں داخل ہو گئے۔

ایک جگہ گھنے درختوں اور جھاڑیوں کا جھنڈ تھا وہاں پہنچ کر مَیں نے اپنے دستے کو ہالٹ کا حکم دیا۔ اور سب کے سب فوراً رُک گئے۔ اس کے بعد ہم سگنل کا انتظار کرنے لگے۔

کوئی دس منٹ کے بعد ایک تیز سیٹی کی آواز سُنائی دی۔ یہ سگنل تھا۔ مَیں نے پھر فارورڈ کا حکم دیا اور ہم واپس اس جگہ کی طرف بھاگے جہاں سردار جمبائی کھڑا تھا۔ جب ہم درختوں سے باہر نکلے تو ہمیں دُور دُور تک دُوسرے دستوں کا کوئی جوان دکھائی نہیں دیا۔ مَیں نے اپنے دستے کو فوراً وہیں روک لیا۔ اور دوسرے دستوں کے آنے کا انتظار کرنے لگا۔

چند لمحوں کے بعد خالد، ناصر اور میکرارُو کے دستے بھی مختلف سمتوں سے درختوں میں سے نکلتے ہُوئے نظر آئے۔ مَیں نے اپنے دستے کو پھر آگے بڑھنے کا حکم دیا۔ اب چاروں دستے اپنے سرداروں کے پیچھے پیچھے ایک جیسی رفتار سے جمبائی کی طرف بڑھ رہے تھے۔ ٹھیک ایک ہی وقت میں خالد،

ناصر، میکرارُو اور مَیں سردار کے قریب پہنچے۔ چاروں نے ایک ساتھ اپنے دستے کو ہالٹ کا حکم دیا اور چاروں دستے اپنی اپنی جگہ رُک گئے۔

سردار جمبائی کے گرد چار لمبی لمبی قطاروں میں پوری فوج کھڑی تھی۔ اور وہ مُسکراتا ہوا سب کو دیکھ رہا تھا۔ گاؤں کے لوگوں کو یہ نظارہ اتنا پسند آیا کہ انہوں نے خوشی سے بھرپور نعرہ لگا دیا۔ اس نعرے پر ہم بھی مُسکرائے بغیر نہ رہ سکے۔ اصل میں یہ ساری فوجی پریڈ ان کے لیے ایک عجُوبہ تھی۔ وہ تو اپنے جنگلی طریقے پر لڑنے کے عادی تھے کہ بس جس طرح بھی ہو دُشمن پر ٹوٹ پڑیں۔

ناصر نے میکرارُو کو آگے بُلایا اور بولا۔

"مَیں جو کچُھ کہوں ان سب کو بتا دو۔"

"بہت اچھا صاحب!" میکرارُو نے ادب سے جواب دیا۔

"مَیں آپ کو ایک بڑی ہی حیرت انگیز چیز دکھانے والا ہوں۔" ناصر نے کہنا شروع کیا۔ "آپ لوگ جس قسم کی گولیاں، بارُود، لوہے کے ٹکڑے اور پتھروں کے ٹکڑے بندوقوں میں استعمال کرنے کے عادی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہیں وہ اس لڑائی میں کام نہ دیں گے۔ میں نے آپ کے لیے بالکل نئی گولیوں کا انتظام کیا ہے۔ آج تک دنیا کی کسی لڑائی میں یہ گولیاں استعمال نہیں کی گئیں۔ یہ بہت قیمتی ہیں اور چونکہ میرے پاس بہت کم ہیں۔ اس لیے میں ہر سپاہی کو صرف ایک ہی گولی دے سکوں گا۔ لیکن فرض کرو اِن گولیوں سے دشمن میدان چھوڑ کر نہیں بھاگتا تو پھر آپ لوگ اپنی گولیاں استعمال کر سکتے ہیں۔"

یہ کہہ کر ناصر آگے بڑھا اور اپنے کندھے پر لٹکے ہوئے تھیلے میں سے کاغذ کی گولیاں نکال نکال کر سپاہیوں میں تقسیم کرنے لگا۔ ان گولیوں میں بارُود بھری ہوئی تھی۔ پچھلی رات ہم نے ناصر کو پُرانے اخباروں اور رسالوں سے یہ گولیاں بناتے دیکھا تھا۔ مگر اس وقت ہمیں یہ خبر نہ تھی کہ یہ گولیاں جنگ میں کام آئیں گی۔

جب سب سپاہیوں میں ایک ایک گولی تقسیم کر دی گئی تو ناصر بولا۔

"سب لوگ میری بات غور سے سُن لیں۔ ہمارا مقصد خون خرابہ نہیں بلکہ دُشمن کو ڈرا کر بھگانا ہے۔

اسی لیے مَیں نے گولیاں بنائی ہیں جو دُشمن کو ہلاک نہیں کریں گی۔ اُس کو میدان سے بھگا دیں گی۔ اب آپ لوگوں کو چھٹی ہے۔ گھر جا کر بیوی بچّوں سے مل لیجیے اور جب بُلایا جائے فوراً آجائیے۔ ہم آج رات ہی کارروائی کرنا چاہتے ہیں۔"

ناصر کے بعد سردار جمبائی آگے بڑھا اور لوگوں سے کہا کہ وُہ ناصر کے ہر حُکم کو اس کا حُکم سمجھیں اور اُس کی ہر بات پر آنکھیں بند کر کے عمل کریں۔ جو شخص حُکم نہیں مانے گا یا اپنے فرض میں کوتاہی کرے گا تو اُسے سخت سزا دی جائے گی۔ اس کے بعد تمام لوگ اپنے گھر کو چلے گئے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دُشمن بھاگ گیا

وُہ رات بڑی تاریک اور بھیانک تھی۔ ہم نے حملے کی پوری طرح تیاری کر لی تھی۔ ہمارا ارادہ تھا کہ دُشمن کو رستے ہی میں جا لیں۔ تاکہ اسے گاؤں پر حملہ کرنے کا موقع ہی نہ ملے۔ ہمارے جاسُوسوں نے اطلاع دی تھی کہ دُشمن گاؤں سے کچھ فاصلے پر پڑاؤ ڈالے پڑا ہے اور وُہ ایک خاص راستے سے حملہ کرنے کے لیے آئے گا۔ ہم نے اس راستے کی ناکا بندی کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

دُشمن کے کیمپ سے چند فرلانگ کے فاصلے پر ایک بہت بڑی کھائی تھی۔ اس کے آس پاس درخت اور جھاڑیاں بھی خاصی تھیں۔ ناصر نے اپنے سپاہیوں کے ایک حصّے کو اس کھائی میں چھپانے کا فیصلہ کیا کیونکہ دُشمن کے سپاہیوں کو

اسی راستے سے گزرنا تھا۔ پھر بھی احتیاط کے طور پر اس نے اپنے ہوشیار جاسُوسوں کو دشمن کے کیمپ کی طرف روانہ کر دیا تھا تاکہ وُہ اس پر نظر رکھیں۔ اور اگر وُہ عین وقت پر اپنا راستہ تبدیل کر دے تو اس کی اطلاع فوراً اُسے پہنچا دی جائے۔ کھائی میں ناصر کے اپنے سپاہی تھے۔ ان سے کچھ آگے دائیں طرف جھاڑیوں میں خالد کے بندوقچی چھپے بیٹھے تھے۔ سردار جبائی اور اس کے آدمیوں کو پیچھے رکھا گیا تھا اور ان سے کہا گیا تھا کہ جب ضرورت پڑے گی تو تمہیں بُلا لیا جائے گا۔

مجھے ناصر نے یہ ہدایت کی کہ میں اپنے ڈیڑھ سو آدمیوں کو لے کر اور ایک لمبا "چکر" کاٹ کر دُشمن کے کیمپ کے پیچھے پہنچ کر اپنے آدمیوں کو جھاڑیوں میں چھپا دُوں اور سگنل کا انتظار کروں۔ جُوں ہی مجھے پہلے فائر کی آواز سُنائی دے مَیں فوراً اپنے آدمیوں کو آگے بڑھنے کا حُکم دُوں۔ وُہ پورے زور سے نعرے لگاتے ہُوئے کیمپ کی طرف بڑھیں اور جب کیمپ سے پچاس گز کے فاصلے پر پہنچ جائیں تو مَیں انہیں روک دوں۔ اس کے بعد فائر کا حکم

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ڈوں اور پھر فوراً ہی فارورڈ کا حکم دے ڈوں۔

مَیں اپنے سپاہیوں کو لے کر چل پڑا۔ اندھیرے میں ٹھوکریں کھاتے اور جھاڑیوں میں سے گزرتے ہوئے آخر ہم ایک لمبا چکّر کاٹ کر دشمن کے کیمپ کے پیچھے پہنچ گئے۔ یہاں سے کوئی پچاس ساٹھ گز کے فاصلے پر ایک اونچا سا ٹیلا تھا۔ مَیں نے اپنے ساتھیوں کو اس ٹیلے کے نیچے ٹھہرنے کا حکم دیا۔ ٹیلے کے آس پاس بے شمار جھاڑیاں تھیں۔ وہ سب ان میں چھُپ گئے۔ مَیں نے انہیں اچھّی طرح تاکید کردی کہ میرے واپس آنے تک وُہ اپنی جگہ سے بالکل حرکت نہ کریں۔ پھر خود رینگتا ہُوا آگے بڑھا اور ٹیلے پر چڑھ کر دُشمن کے کیمپ کی طرف دیکھا۔

کیمپ کے گرد آگ جل رہی تھی اس لیے وُہ اچھی طرح نظر آرہا تھا۔ مَیں نے غور سے دیکھا تو پتا چلا کہ پرُتگالی اور اس کے سپاہی گاؤں پر حملہ کرنے کے لیے جا چکے ہیں۔ اور اب کیمپ میں صرف تھوڑے سے پہرے دار ہی رہ گئے ہیں۔ یہ دیکھ کر مجھے اطمینان ہُوا کہ سب قیدی کیمپ ہی میں تھے اور اس وقت آگ کے قریب بیٹھے تھے۔ اگرچہ فاصلہ خاصا تھا۔

مگر اس کے باوجود میں نے روشنی میں سردار مبانگو اور اوکنڈا کو پہچان لیا۔

کیمپ کا خوب اچھّی طرح معاینہ کرنے کے بعد مَیں ٹیلے سے نیچے اُتر آیا اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ جھاڑیوں کے اندر لیٹ گیا۔ مجھے ناصر کے سگنل کا انتظار تھا۔

اگرچہ ہم دونوں پارٹیوں کا حملہ ایک ہی وقت میں شروع ہونا تھا مگر چونکہ پہل ناصر اور اُس کے ساتھیوں کو کرنا تھی اس لیے مَیں پہلے ناصر اور اُس کے دستے کا حال آپ کو سُنا ڈوں۔

مَیں آپ کو بتا آیا ہُوں کہ ناصر نے سپاہیوں کو اس کھائی میں چھپا رکھا تھا۔ جہاں سے دُشمن کو گزرنا تھا۔ کھائی سے کچھ آگے خالد کے سپاہی چھُپے بیٹھے تھے۔ یہ تمام انتظامات کرنے کے بعد ناصر نے خالد کے سپاہیوں کو بھی اپنی کمان میں لے لیا اور خالد سے کہا۔

"اب تم جاؤ اور جو کام تمہارے ذمّے کیا گیا ہے، اُسے کرو۔ ان لوگوں کو مَیں اور مَیک سنبھال لیں گے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"بہت اچھا جناب عالی!" خالد نے ہنس کر کہا۔ یہ کہہ کر وُہ اپنا تھیلا اُٹھا کر جنگل کی طرف غائب ہوگیا۔ اب ذرا خالد کے کام کے بارے میں کچھ سُن لیجیے۔

ایک محفوظ سی جگہ پر پہنچ کر خالد نے اپنے کپڑے اتار کر چند پھٹے پُرانے کپڑے پہن لیے۔ ان کپڑوں کے ساتھ اس نے اخباروں اور رسالوں کے چند کاغذ بھی چپکا لیے۔ اس کے بعد اس نے پتوں، ٹہنیوں اور پودوں کا ایک تاج بنا کر پہن لیا۔ یہ اسی طرح کا تاج تھا جس طرح کا اس نے اس غار میں جلشیوں کو ڈرانے کے لیے پہنا تھا۔ غرض کہ اس نے اپنے آپ کو زیادہ سے زیادہ خوفناک اور ڈراؤنا بنانے کی کوشش کی۔

اُس نے بارُود کی دو بڑی بڑی پھلجھڑیاں بنا لی تھیں۔ اور ان پھلجھڑیوں کو اُس نے لکڑی کے پیالوں میں رکھ لیا تھا۔ تاکہ اس کے ہاتھوں کو نقصان نہ پہنچے۔ اب وُہ چھپتا، چھپاتا ایک ٹیلے کی طرف بڑھا جو اس کھائی کے بالکل سامنے تھا۔ جس میں ناصر اور اس کے سپاہی چھپے ہُوئے تھے۔ ٹیلے پر چڑھ

کر وُہ ایک جھاڑی میں چھُپ کر بیٹھ گیا۔ اور دُشمن کے آنے کا انتظار کرنے لگا۔

جنگل کا سماں اور پھر دہشت ناک سناٹا۔ خالد بے چارہ اکیلا بیٹھا بیٹھا گھبرانے لگا تھا کہ یکایک کچھ فاصلے پر ایک سایہ آہستہ آہستہ کھائی کی طرف بڑھتا ہوا نظر آیا۔ خالد ہوشیار ہو کر بیٹھ گیا اور اس کو غور سے دیکھنے لگا۔ کھائی کے آس پاس جو گھنی جھاڑیاں تھیں۔ وُہ سایہ ان میں داخل ہو کر اس کی نظروں سے اوجھل ہوگیا۔ خالد کو شبہ ہُوا کہ کہیں یہ دُشمن کا کوئی آدمی نہ ہو۔ پہلے تو اس نے سوچا کہ اپنے آدمیوں کو ہوشیار کر دے۔ مگر پھر خیال آیا کہ دشمن کا آدمی اتنی دیدہ دلیری سے دوسروں کے لشکر میں نہیں آ سکتا۔ وُہ ہمارا اپنا ہی کوئی آدمی ہے اور دشمن کی خبر لایا ہے۔ یہ سوچ کر وہ چُپ چاپ اپنی جگہ پر بیٹھا رہا۔

چند لمحوں کے بعد اس نے بہت سے آدمیوں کو کھائی کی طرف آتے دیکھا اُسے یقین ہوگیا کہ یہ دُشمن کے سپاہی ہیں۔ اور گاؤں پر حملے کی نیّت سے آرہے ہیں۔ ان کی تعداد اچھی خاصی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اور وہ جس بے پروائی سے آ رہے تھے۔ اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ انہیں اس بات کا شبہ تک نہیں کہ ان کا استقبال کرنے کے لیے گاؤں کے لوگ راستے میں چھپے بیٹھے ہیں۔

خالد کے دیکھتے ہی دیکھتے وہ لوگ کھائی کے قریب پہنچ گئے۔ اُن کے آگے آگے پرتگالی تاجر تھا۔ خالد نے جلدی سے اپنی پھلجھڑیوں کو ٹٹول کر دیکھا۔ وُہ ٹھیک ٹھاک تھیں اور ان کے فلیتے اپنی جگہ لگے ہُوئے تھے۔ اُس نے ماچس نکالی اور ہوشیار ہو کر بیٹھ گیا۔

اُدھر ناصر کو بھی دشمن کے آنے کی خبر مل چکی تھی۔ اس نے انہیں اور آگے آنے کا موقع دیا۔ اور جب وُہ اس کے آدمیوں سے تیس پینتیس قدم کے فاصلے پر پہنچ گئے تو اس نے اشارہ کیا اور سارے سپاہیوں نے اتنی زور سے نعرہ لگایا کہ جنگل گونج اُٹھا۔ اس نعرے کے جواب میں خالد کے سپاہیوں کا نعرہ بھی سُنائی دیا اور پھر تو نعروں سے پُورا جنگل تھرّا اُٹھا۔

دُشمن کے سپاہیوں کے لیے یہ اتنے اچنبھے کی بات تھی۔ کہ وُہ حیران پریشان اپنی جگہ پر بُت

بَن کر کھڑے ہو گئے۔ اُن کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وُہ کیا کریں اور کیا نہ کریں۔

یکایک ناصر نے اپنا ہاتھ اُوپر اٹھایا جس میں سفید رنگ کی گھاس کا ایک چھوٹا سا گٹھا تھا۔ اور اندھیرے میں بھی صاف دکھائی دے رہا تھا۔ یہ اشارہ پاکر سب بندوقچیوں نے اپنی اپنی رائفلیں سیدھی کرلیں اور ایک ساتھ ان کے سیفٹی کیچ ہٹا دیے۔ کلک کی بے شمار آوازیں سناٹے میں گونجیں۔ یہ آوازیں حملہ آور حبشیوں اور اُن کے پُرتگالی سردار نے بھی سینکڑوں بار سُنی ہوں گی۔ اس لیے اب وُہ سمجھ گئے کہ وُہ گھیرے میں آ چکے ہیں اور اس وقت گولیوں کی زد پر ہیں۔ لیکن اس سے پہلے کہ وُہ واپس مڑتے۔ ناصر نے زور سے حکم دیا۔ "فائر!"

سو بندوقیں ایک ساتھ چلیں اور اس قدر خوف ناک دھماکہ ہُوا کہ پورا جنگل کانپ اٹھا۔ یوں لگا جیسے بھونچال آگیا ہو۔ کاغذ کی گولیوں کی بارُود ملی تو دھماکے کے ساتھ ہی کاغذوں کو آگ لگی اور ان کے شعلے دُشمنوں کی طرف لپکے۔ سو گولیوں کے سو شعلے دشمن کو یُوں معلوم ہُوئے جیسے آگ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کی ایک دیوار ان کی طرف بڑھ رہی ہے۔ اس کے ساتھ ہی ناصر کے سپاہیوں نے نعروں پر نعرے لگانے شروع کر دیے۔ آس پاس کی پہاڑیوں کی گونج نے ان آوازوں کو اور بھی ڈراؤنا بنا دیا۔ پرتگالی تاجر کے حبشی سپاہیوں کے ہوش اڑانے کے لیے اتنا ہی کافی تھا۔ وہ سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ اٹھے۔ وہ مارے خوف کے گر گر پڑتے تھے اور بری طرح شور مچا رہے تھے۔

رہی سہی کسر خالد نے پوری کر دی۔ اس نے جب انہیں بھاگتے ہوئے دیکھا تو جھٹ اپنی پھلجھڑیوں کو آگ دکھا دی۔ بارود جلی تو آگ کے شرارے اڑتے نظر آئے۔ بھاگتے ہوئے حبشیوں نے جب ایک خوفناک بلا کو ٹیلے کی چوٹی پر وحشیانہ انداز میں ناچتے، اچھلتے، کودتے، شور مچاتے اور دانت نکالتے دیکھا تو سمجھے کوئی بھوت ان پر حملہ کر رہا ہے۔ اب تو ان کے خوف کی کوئی حد نہ رہی۔ چند ہی لمحوں میں سارا میدان دشمنوں سے صاف ہو گیا۔

"بہت اچھے!" ناصر نے خالد کے کندھے پر

ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"ارے!" خالد اچھل پڑا۔ "تم نے مجھے کس طرح ڈھونڈ لیا؟"

"بڑی آسانی سے۔ تمہاری پھلجھڑیوں نے مجھے بتا دیا کہ تم کہاں ہو۔ بھئی اس آتش بازی نے میرے اپنے سپاہیوں کو بھی خوفزدہ کر دیا تھا۔ خیر اب تم یہ بتاؤ کہ تم نے اصغر کے آدمیوں کی فائرنگ کی آواز سنی یا نہیں؟ میں نے اس سے کہا تھا کہ وہ کیمپ پر حملہ کر کے قیدیوں کو اپنی حفاظت میں لے لے۔"

"میں نے تو نہیں سنی۔" خالد نے کہا۔ "اتنے شور شرابے میں خاک سنائی دیتا۔"

"تو پھر آؤ جلدی کرو۔ ہمیں فوراً اس کی خبر لینی چاہیے۔" ناصر نے کہا۔

"بہت اچھا۔ مگر ٹھہرو۔ میں کپڑے بدل لوں۔ ورنہ اس حلیے میں دیکھ کر کوئی مجھ پر گولی چلا دے گا۔" خالد نے کہا اور جلدی سے جھاڑیوں میں گھس گیا، جہاں وہ اپنے کپڑے اتار کر چھوڑ گیا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ دونوں پرتگالی کے کیمپ کی طرف روانہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہو گئے۔

اب میری سُنیے۔ مَیں نے جُوں ہی ناصر کے سپاہیوں کے فائر کی آواز سُنی تو اُچھل کر کھڑا ہو گیا۔ اور اپنے سپاہیوں کو حکم دیا۔ "فارورڈ"

سپاہی چیتے کی سی پھرتی سے کیمپ کی طرف لپکے ہم جھاڑیوں اور درختوں کی آڑ لیتے ہُوئے آگے بڑھ رہے تھے تاکہ کوئی دیکھ نہ لے۔ جب ہم کیمپ سے صرف تیس گز کے فاصلے پر رہ گئے۔ تو مَیں جلدی سے دوڑ کر ایک قریبی ٹیلے پر چڑھ گیا اور چلّا کر حکم دیا "ہالٹ"۔ سپاہی فوراً ہی رُک گئے۔ دُوسری طرف میری آواز سُن کر کیمپ کے پہرے دار بھی اچھل پڑے اور جلدی سے ہتھیار سنبھال کر اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگے۔ مَیں نے فوراً دُوسرا حکم دیا۔ "فائر"۔

پچاس بندوقچیوں کی پچاس گولیاں چلیں۔ ایک خوفناک دھماکہ ہُوا اور شعلے لپکے۔ ساتھ ہی مَیں نے حکم دیا۔ "فارورڈ"۔ اور ہم سب بجلی کی طرح کیمپ کی طرف بڑھے۔ نتیجہ وہی ہُوا جس کی ہمیں اُمید تھی۔ پہرے داروں نے ہتھیار پھینک دیے

اور جدھر جس کا مُنہ اُٹھا، بھاگ لیا۔

کیمپ میں پہنچ کر مجھے اپنی غلطی کا احساس ہُوا ہم نے جہاں دشمن کو ڈرا کر بھگا دیا تھا وہاں اُن قیدیوں کو بھی بھگا دیا تھا۔ جنہیں چھڑانے کے لیے ہم نے اتنا چکّر چلایا تھا۔ وہ بے چارے خوفزدہ ہو کر جانے کدھر غائب ہو گئے تھے۔ کیمپ بالکل خالی پڑا تھا۔

میرے سپاہی پہرے داروں کو ڈھونڈنے کے لیے جنگل میں گھُس گئے تھے۔ مَیں نے انہیں واپس بُلانے کے لیے زور زور سے آوازیں دیں۔ مگر انہوں نے میری بات نہیں سمجھی۔ ان میں سے چند ایک نے مُڑ کر دیکھا بھی مگر وہ شاید یہ سمجھے کہ مَیں انہیں جوش دلا رہا ہُوں وہ اور تیزی سے نعرے لگاتے ہُوئے دُشمن کے پیچھے بھاگے۔ افسوس کہ ہم نے اُنہیں آگے بڑھنے کا طریقہ تو سکھا دیا تھا، واپس آنے کا نہیں سکھایا تھا۔ اُس وقت میں اس قدر پریشان ہو گیا تھا کہ انہیں ہالٹ کا حکم بھی نہ دے سکا۔ ورنہ کم سے کم انہیں روک تو لیتا۔

میرے سپاہی دیکھتے ہی دیکھتے جنگل میں غائب ہو گئے اور مَیں سر پکڑ کر جلتی ہُوئی آگ کے قریب بیٹھ گیا کہ اب کیا کروں؟

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مُبانگو کی تلاش

"ہوں، تو آرام ہو رہا ہے؟" اچانک ایک آواز سُنائی دی اور مَیں اُچھل پڑا۔ سر اُٹھا کر دیکھا تو ناصر اور خالد کھڑے تھے۔ مَیکرارُو بھی ان کے ساتھ تھا۔

"اوکنڈُا کہاں ہے؟" ناصر نے پوچھا۔

"اوکنڈُا ہی کیا، مُبانگو اور اُس کی بیوی بھی گئے۔" مَیں نے مایُوسی سے سر ہلایا۔

"کہاں گئے؟" اُس نے حیران ہو کر پوچھا۔

"دُشمن کے ساتھ ہی وُہ بھی بھاگ کھڑے ہُوئے۔ اُنہیں بھلا کیا پتا کہ ہم اُن کے دُشمن نہیں دوست ہیں اور انہیں رہا کرانے کے لیے آئے ہیں۔"

"اوہو!" ناصر نے کہا۔ "یہ تو واقعی بڑی بھُول ہُوئی۔ مجھے ڈر ہے کہیں وُہ پھر نہ پکڑے جائیں۔"

"اور مجھے ڈر ہے کہ ہمارے سپاہی دُشمن کے

ساتھ انہیں بھی قتل نہ کر دیں۔"

"تو پھر آؤ، کھڑے کیا دیکھ رہے ہو۔ ہمیں فوراً اُن کا پیچھا کرنا چاہیے۔" ناصر نے رائفل پکڑ کر بھاگتے ہُوئے کہا۔

ہم بھی اس کے پیچھے پیچھے لپکے۔ اب چاند نکل آیا تھا اس لیے راستہ تلاش کرنے میں کچھ زیادہ دقت کا سامنا نہ کرنا پڑا۔ ہم کوئی آدھ گھنٹے تک بھاگتے رہے۔ مگر نہ ہمیں کہیں مُبانگو اور اس کے ساتھی نظر آئے، نہ اپنے یا دُشمن کے سپاہی۔ آخر تھک کر ہم ایک جگہ رُک گئے۔

"مایُوس ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔" خالد نے مَیکرارُو کا سُتا ہُوا چہرہ دیکھ کر کہا۔ "ہم تمہاری منگیتر کو ضرور تلاش کر لیں گے۔"

"تم نے کہنے کو تو کہہ دیا مگر بھلا یہ تو بتاؤ ہم اُنہیں تلاش کس طرح کریں گے؟" مَیں نے پوچھا۔

"عقل اللہ میاں نے استعمال کرنے کے لیے دی ہے۔" خالد نے مُسکرا کر کہا۔ "جلدی سے اپنے سپاہیوں کو جمع کرو۔ واپس گاؤں چلو اور سردار جمبائی سے اجازت لے کر ارد گرد کے سارے علاقے میں پھیل جاؤ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہم کہیں نہ کہیں انہیں تلاش کر ہی لیں گے۔"

"مگر بھئی یہ تو پتا چلے کہ وُہ گئے کس طرف ہیں؟" ناصر نے کہا۔

"تو پھر تم ہی کچھ کہو۔" خالد نے کہا۔ "ممکن ہے تم کوئی اچھی تجویز پیش کر سکو۔"

"مَیں تمہاری تجویز کے ساتھ ہی ایک ٹکڑا اور لگاؤں گا۔ سپاہیوں کو جمع کرنے کے بعد ہمیں فوراً کچھ جاسُوس مختلف سمتوں میں روانہ کر دینے چاہییں وہ دُشمن کو تلاش کریں گے اور یہ معلوم کرنے کی کوشش کریں گے کہ مُبانگو اور اس کے ساتھی ان کے پاس ہیں یا نہیں؟"

"اچھی تجویز ہے۔" خالد اور مَیں نے اس سے اتفاق کیا۔

"تو چلو اب واپس۔" ناصر نے اٹھتے ہُوئے کہا اور ہم واپس چل پڑے۔ مَیں یہ بتانا بھُول گیا کہ ہم نے حملے سے پہلے اپنے سپاہیوں کو بتا دیا تھا کہ جب حملہ ختم ہو جائے تو وہ سب واپس کھائی میں جمع ہو جائیں۔

جب ہم وہاں پہنچے تو بہت سے سپاہی وہاں

جمع ہو چکے تھے۔ اور باقی ایک ایک دو دو کر کے آ رہے تھے۔ انہوں نے بتایا کہ وہ دشمن کے ایک بھی سپاہی کو پکڑنے یا قتل کرنے میں کامیاب نہیں ہوئے ناصر کی سکیم حیرت انگیز حد تک کامیاب رہی تھی۔ اور اس نے خون کا ایک قطرہ بہائے بغیر اتنی شاندار فتح حاصل کر لی تھی۔

سپاہیوں کے جمع ہو جانے کے بعد ہم سب واپس گاؤں کی طرف چل پڑے۔ سردار اپنی فوج کے ساتھ اسی جگہ چھُپا بیٹھا تھا جہاں ہم نے اُسے چھوڑا تھا۔ اس نے جب ہماری شاندار فتح کا حال سُنا تو اُسے یقین نہ آیا۔ وُہ مانتا ہی نہ تھا کہ دُشمن بغیر لڑے بھڑے بھاگ گیا۔ لیکن جب اُس کے آدمیوں نے اُسے یقین دلایا تو وہ مارے خوشی کے ہم سے لپٹ گیا۔ ہماری پیٹھ پر تھپکیاں دیں اور ہماری ناک سے ناک رگڑی۔

اس رات سردار کے حکم سے پورے گاؤں میں جشن منایا گیا۔ قبیلے کے سب مرد عورتوں نے ناچ اور گانے کی محفل گرم کی اور صبح تک سب کھاتے پیتے، ناچتے گاتے رہے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہم نے سردار کو اپنی تجویز بتا دی تھی اور یہ بھی کہہ دیا تھا کہ ہم نے دشمن کا پتا چلانے کے لیے جاسوس روانہ کر دیے ہیں۔ سردار نے ہماری تجویز سے اتفاق کیا اور ہر ممکن مدد کا یقین دلایا۔

دُوسرے روز ہی ہمارا ایک جاسوس واپس آ گیا مگر اس نے ہمیں جو اطلاع دی۔ اس نے ہمارا سارا پروگرام ہی بدل کر رکھ دیا۔ جاسُوس نے ہمیں بتایا کہ کوئی دس میل دُور ایک جھیل کے کنارے دُشمن کے سپاہی ڈیرا ڈالے پڑے ہیں۔ وُہ گھاس میں رینگتا ہُوا ان کے اس قدر نزدیک پہنچ گیا کہ اس نے ان کی باتیں بھی سُن لیں۔ ان باتوں سے اُسے پتا چلا کہ وُہ لوگ اب واپس اپنے قبیلے میں جا رہے ہیں اور اس قدر خوف زدہ ہو چکے ہیں کہ اب سردار جمبالی کے گاؤں پر حملہ کرنے کی اُن میں ہمت نہیں۔ وہیں اس کو یہ بھی پتا چلا کہ ان کے قیدی بھی اس ہنگامے میں بچ نکلنے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ دُشمن کے چند سپاہیوں نے اُنھیں ایک کشتی میں بیٹھ کر دریا پار کرتے دیکھا تھا۔

"اب کیا خیال ہے؟" خالد نے پوچھا۔

"خیال کیا ہوتا۔ اب تو سارا پروگرام ہی بدلنا پڑے گا۔" ناصر نے جواب دیا۔

"پھر بھی، کیا ارادہ ہے؟" میں نے پوچھا۔

"میرا خیال ہے کہ ہمیں سردار مبانگو کا پیچھا کرنا چاہیے۔ ممکن ہے راستے ہی میں ہم اُسے جا لیں۔"

"لیکن اب اس کے پیچھے بھاگنے سے کیا فائدہ؟ وُہ اپنے گاؤں ہی کی طرف گیا ہوگا۔"

"یہ تو ٹھیک ہے مگر اس کا اکلوتا بچّہ ہمارے پاس ہے اس کی ماں رو رو کر پاگل ہو جائے گی لیکن پھر ایک اور مُصیبت آئی۔ ہمیں سردار جمبالی سے اجازت لینا پڑے گی۔" ناصر بولا۔

"فرض کرو، وُہ اجازت نہیں دیتا۔" مَیں نے کہا۔

"تو پھر ہمیں یہاں سے چھُپ کر بھاگنا پڑے گا۔" ناصر نے کہا۔

"اور ہمارا سامان۔ ارے یار! اس میں تو ہماری اس قدر قیمتی چیزیں ہیں کہ...."

"اب تو ہمیں ان سے ہاتھ دھونا ہی پڑیں گے۔ مگر تم اتنے مایوس کیوں ہوتے ہو؟ یہ کیوں نہیں کہتے کہ سردار ہمیں اجازت دے دے گا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"اچھا۔ تم کوشش کر دیکھو۔" میں نے کہا۔

"گھبراؤ نہیں۔ میں کوئی نہ کوئی چکر چلا لوں گا۔" ناصر نے کہا۔

کوئی دو گھنٹے کے بعد ناصر میکرارڈو کے ساتھ مسکراتا ہوا جھونپڑے میں داخل ہوا۔ ان کو خوش دیکھ کر ہم نے اندازہ لگا لیا کہ وہ کامیاب لوٹے ہیں۔

"مبارک ہو۔" ناصر نے کہا۔ "سردار نے اجازت دے دی اور ہمارا سامان اٹھانے کے لیے چند مزدور بھی دینے کا وعدہ کر لیا ہے۔"

"سچ مچ؟" میں نے حیران ہو کر پوچھا۔ "مگر اُستاد، یہ معرکہ تم نے سَر کس طرح کیا؟"

"بس یہی تو کمال ہے۔" ناصر نے بیٹھتے ہوئے کہا۔ "میں نے اجازت مانگی تو کہنے لگا۔ ابھی اجازت نہیں مل سکتی کیونکہ خطرہ ہے کہ وہ پرتگالی دوبارہ حملہ نہ کر دے اور واپس جانے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ یہیں ہمارے قبیلے میں رہ پڑو۔ میں تمہیں اپنی فوج کا جنرل بنا دوں گا۔

میں نے اُسے سمجھایا کہ ہم لوگ یہاں نہیں رہ سکتے۔ ہمیں ایک نہ ایک دن واپس جانا ہی ہوگا۔

مگر وہ کچھ نہ بولا اور خاموشی سے بیٹھا پائپ پیتا رہا۔ آخر مجھے ایک طریقہ سوجھا۔ میں نے اس سے کہا کہ میں دشمن کو بھگانے والی چند سو گولیاں اُسے اور بھیج دوں گا۔ بس ان گولیوں کا نام سنتے ہی وہ مان گیا اور فوراً جانے کی اجازت دے دی۔"

"چلو جان چھٹی لاکھوں پائے۔" میں نے کہا۔

"لوٹ کے بدھو گھر کو آئے۔" خالد نے ٹکڑا لگایا۔

"چلو اب تیاریاں کرو۔ کل ہم یہاں سے روانہ ہو رہے ہیں۔ سردار مبانگو کا بچہ بھی ہمارے ساتھ جائے گا۔"

"لیکن کیا کشتی میں نہیں چلنا؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں۔ کل کا دن ہمیں پیدل ہی سفر کرنا ہوگا۔" ناصر نے جواب دیا۔ "میں نے میک سے بات کی تھی۔ اُس نے بتایا ہے کہ دریا آگے چل کر اتنا خم کھاتا ہے کہ اگر ہم وہاں سے کشتی میں سوار ہوں تو کم سے کم دو دن کا سفر بچ جائے گا۔"

"بہت خوب۔" میں نے کہا۔ "اس کا مطلب ہے کہ ہم اپنے دوستوں کو راستے ہی میں کہیں مل جائیں گے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"ضرور!" ناصر نے کہا۔ "اب تم لوگ ضروری تیاریاں کر لو۔ کل ہم صبح ہی صبح روانہ ہو رہے ہیں۔"

دُوسرے روز ہم چند حبشی مزدُوروں کے ساتھ جا رہے تھے۔ سردار مُبانگو کے ننھے بچے کو ناصر نے اپنے کندھوں پر اُٹھا رکھا تھا کیونکہ وہ بیماری کی وجہ سے چل نہیں سکتا تھا۔

بچھڑے ہُوئے مل گئے

اُس روز ہم نے پیدل ہی سفر کیا اور دُوسرے روز دریا کے کنارے پہنچ گئے۔ اتفاق سے ہمیں ایک کشتی بھی مل گئی۔ ہم نے سامان کشتی میں رکھا اور سوار ہو کر آگے چل پڑے۔

کئی دن تک ہم سفر کرتے رہے۔ ایک روز ہمارا گزُر ایسے گاؤں کے پاس سے ہوا جو دریا کے عین کنارے آباد تھا۔ اتفاق سے گاؤں کے لوگوں کی نظر ہم پر پڑ گئی۔ وہ دَوڑے دَوڑے آئے اور کچھ دیر رُکنے کی دعوت دی۔ ہم بھی اس دن رات کے سفر سے بے زار ہو گئے تھے، فوراً کشتی کا رُخ کنارے کی طرف موڑ دیا۔ گاؤں کے باشندوں نے ہماری بڑی آؤ بھگت کی اور ہمیں اپنے سردار کے پاس لے گئے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گاؤں کا سردار اُس روز اپنے قبیلے کے ساتھ شکار کے لیے جا رہا تھا۔ اُس نے ہمیں بھی دعوت دی، جسے ہم نے قبول کر لیا اور سب لوگ ہتھیار لے کر جنگل کی طرف چل پڑے۔

کچھ دیر بعد ہم ایک ایسی جگہ پہنچے جہاں جنگل کسی قدر چھدرا تھا۔ کہیں کہیں کھلی جگہ بھی تھی۔ یہاں پہنچ کر سب شکاری نصف دائرے کی شکل میں پھیل گئے۔ یہ نصف دائرہ کم از کم دو میل لمبا تو ضرور ہوگا۔

ان لوگوں نے جنگل میں ایک جگہ بہت بڑی خندق کھود رکھی تھی۔ جو کم سے کم آٹھ فٹ گہری، پندرہ گز چوڑی اور ایک میل لمبی تھی۔ اُن کے شکار کا طریقہ یہ تھا کہ نصف دائرے کی شکل میں پھیل کر خوب شور مچاتے اور کنستر، ڈھول وغیرہ بجاتے جس سے جانور جھاڑیوں میں سے نکل نکل کر اُن کے آگے آگے بھاگ اُٹھتے۔ شکاریوں کی زبان میں اسے ہانکا کہتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی وُہ لوگ دائرے کا حلقہ تنگ کرتے جاتے یہاں تک کہ وُہ جانوروں کو دھکیلتے ہُوئے خندق تک لے آتے

تھے۔ جانور جب بھاگنے کا کوئی راستہ نہ پاتے تو خندق کو پار کرنے کی کوشش کرتے مگر پندرہ فٹ چوڑی خندق پار کرنا اُن کے بس کی بات نہ تھی۔ وُہ خندق میں گر جاتے اور پھر شکاری چند ہی لمحوں میں اُنہیں نیزوں سے چھلنی کر کے رکھ دیتے۔ خندق کے کنارے ایسے بنائے گئے تھے کہ جو جانور ایک بار اس میں گر جاتا ہزار کوشش کے باوجود باہر نہیں نکل سکتا تھا۔

ڈھول تاشے بجنا شروع ہو گئے تھے اور اس کے ساتھ ہی شکاریوں کا دائرہ تنگ ہوتا جا رہا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم نے بے شمار جانوروں کو جھاڑیوں میں سے نکل کر بھاگتے ہُوئے دیکھا۔ ان میں جنگلی بھینسے، ہرن، بارہ سنگھے، گینڈے، لومڑیاں اور چھوٹے بڑے بے شمار جانور شامل تھے۔ وُہ خوف زدہ ہو کر ہمارے آگے آگے بھاگ رہے تھے۔

"آؤ۔ خندق کے پاس چلتے ہیں۔ وہاں دیکھیں گے شکار کیسے ہوتا ہے؟"۔ ناصر نے کہا۔

"ٹھیک ہے، چلو۔" میں نے اتفاق کرتے ہُوئے کہا۔

ہم چاروں ساتھی دائرے میں سے نکل کر خندق کی طرف بڑھے۔ کچھ دیر بعد ہم خندق کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کنارے حبشی شکاریوں کے ساتھ کھڑے تھے۔
دُور جنگل میں ہانکے والوں کی آوازیں سُنائی دے
رہی تھیں۔ اُن کا حلقہ آہستہ آہستہ تنگ ہوتا جا
رہا تھا۔ جانور ہر طرف بھاگتے نظر آرہے تھے۔
چند جنگلی بھینسے دوڑتے ہُوئے آئے اور خندق
کے کنارے آکر رُک گئے۔ مگر جب اُنہوں نے
دیکھا کہ وُہ اسے پار نہیں کرسکیں گے تو پھر واپس
چلے گئے۔ مگر اُدھر سے ہانکے والوں کا شور سُنائی
دیا تو وُہ خوف زدہ ہو کر پھر واپس خندق کی طرف
بھاگے۔ یہی حال دُوسرے جانوروں کا بھی تھا۔
اب حلقہ بالکل تنگ ہوگیا تھا۔ حلقے کے میدان
میں بے شمار جانور اِدھر اُدھر چھُپنے کی کوشش کر
رہے تھے مگر وہاں کوئی پناہ گاہ نہ تھی۔ کچھ ہی دیر بعد
خندق کے کنارے جانوروں کا ایک ہجوم اکٹھا ہوگیا۔
اب ہانکے والے بالکل قریب آگئے تھے۔ اِنہوں
نے چیخ و پکار کی تو کنارے پر کھڑے ہُوئے کچھ
جانور تو گھبرا کر خندق میں گر پڑے۔ اور باقی کو
ہانکے والوں نے نیزے مار مار کر گرانا شروع کر دیا۔
خندق میں گرے ہوئے جانور بے بسی سے تڑپ

رہے تھے اور اوپر سے شکاری نیزوں اور بھالوں کی
اُن پر بُوچھاڑ کر رہے تھے۔ یہ بڑا دردناک منظر تھا
چند ہی لمحوں میں ساری خندق جانوروں کی لاشوں
سے پٹ گئی۔
"صاحب"۔ میکرارُو نے میرے کندھے پر ہاتھ
رکھ کر کہا۔ "ایک بات سنیے"۔
"کیا ہے؟" مَیں نے اُس کے ساتھ پیچھے ہٹتے
ہُوئے کہا۔
"قبیلے کے سردار نے ابھی ابھی مجھے بتایا تھا کہ
سردار مُبانگو اور اس کے ساتھی کل اِدھر سے گزرے تھے"۔
"کل ہی"۔ مَیں نے حیرت اور خوشی سے چلّا کر
کہا۔ "واقعی"؟
"ہاں صاحب"۔ میکرارُو نے کہا۔
"اور دُوسری بات یہ ہے کہ سردار نے شکار کا
بڑا لمبا چوڑا پروگرام بنا رکھا ہے۔ وُہ ایک ہفتے سے
پہلے ہمیں جانے کی اجازت نہیں دے گا"۔
تھوڑی دیر کے بعد ہم چاروں اس بات پر غور
رہے تھے کہ اب ہمارا اگلا قدم کیا ہونا چاہیے؟
"میرے خیال میں ہمیں سردار کو صاف صاف

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بتا دینا چاہیے کہ ہمیں ایک ضروری کام ہے۔ اس لیے ہم فوراً رخصت ہونا چاہتے ہیں۔" میں نے کہا۔

"پھر بھی اس میں دو تین دن تو لگ ہی جائیں گے۔" خالد بولا۔ "بہتر یہی ہے کہ ہم چپکے سے کھسک چلیں۔ وہ شکار میں مصروف ہے۔ جب تک اسے ہمارے فرار ہونے کا پتا چلے گا، ہم دُور جا چکے ہوں گے۔"

اس تجویز سے سب نے اتفاق کیا۔ اور تھوڑی دیر کے بعد ہم حبشیوں کی نظر بچا کے، درختوں اور جھاڑیوں کی اوٹ میں چھپتے چھپاتے کھسک آئے۔ پہلے ہم گاؤں میں پہنچے۔ وہاں سے مُبانگو کے بچّے کو لیا۔ اور پھر دریا پر آگئے۔ اور کشتی میں بیٹھ کر روانہ ہوگئے۔

ہم گھنٹوں کا سفر منٹوں میں طے کرتے، اُس گاؤں سے بہت دُور نکل آئے۔ تین دن اور تین راتیں اسی طرح گزریں۔ رات صرف چند گھنٹے آرام کرتے اور باقی سارا وقت سفر ہی میں کٹتا۔

تیسرے دن دُور دریا کی چمکتی ہوئی سطح پر ہمیں ایک کشتی نظر آئی اور ہمارے چہرے خوشی سے کھل

اُٹھے۔ کشتی کا ہم سے زیادہ سے زیادہ فاصلہ آدھے میل کا ہوگا۔

مگر اس وقت ہم سے ایک سخت حماقت ہوئی بجائے اس کے کہ ہم خاموشی سے آگے بڑھتے اور کشتی کے قریب پہنچنے کی کوشش کرتے۔ ہم نے اُسے دیکھتے ہی نعرے لگانے شروع کر دیئے۔ کشتی والے سمجھے کہ ہم پرتگالی تاجر کے آدمی ہیں اور انہیں پکڑنے آ رہے ہیں۔ انہوں نے اپنی کشتی کی رفتار اور تیز کر دی۔ ناصر نے کشتی کی طرف غور سے دیکھا اور میکارڈو سے بولا۔

"وُہ دیکھو۔ کشتی چلانے والوں میں ایک عورت بھی ہے۔ ہے نا؟"

"ہاں صاحب۔ معلوم تو کچھ ایسا ہی ہوتا ہے۔"

"تو پھر زور لگاؤ۔ عورت زیادہ دیر تک اسی رفتار سے چپّو نہ چلا سکے گی۔ ہم جلد ہی انہیں جا لیں گے۔" ناصر نے کہا۔

ہم پُوری طاقت سے چپّو چلاتے رہے۔ ناصر کی بات سچ نکلی۔ پانچ منٹ بعد ہی ہمیں اس کشتی کی رفتار میں کمی محسوس ہونے لگی۔ ہم اب آہستہ آہستہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس کے قریب ہوتے جا رہے تھے۔ اس بات کا انہیں بھی احساس ہو گیا تھا۔ اگلے ہی لمحے کشتی میں سے ایک آدمی اٹھا، اس نے رائفل اٹھائی اور اس کی نالی کا رُخ ہماری طرف کر کے نشانہ لینے لگا۔

"یہ تو بہت بُرا ہُوا" ناصر نے گھبرا کر کہا۔ بات اُس کے منہ ہی میں تھی کہ رائفل چلنے کی آواز آئی۔ اور گولی زن سے ہمارے سروں پر سے گزر گئی۔ مگر ہم نے اپنی کشتی کی رفتار کم نہ ہونے دی۔ اُدھر وُہ شخص پھر نشانہ لے رہا تھا اور اب اُس کے ساتھیوں نے چپّو روک دیے تھے تاکہ وُہ ٹھیک طرح سے نشانہ لے سکے۔

یہ دیکھ کر ناصر پھُرتی سے اٹھا اور اس نے اپنی رائفل پکڑ کر دونوں ہاتھ اُوپر اٹھا دیئے۔ تاکہ کشتی والے سمجھ لیں کہ ہمارے پاس بھی رائفلیں ہیں مگر ہم استعمال کرنا نہیں چاہتے۔

خالد کی یہ چال کامیاب ثابت ہوئی۔ کشتی والے بندوقچی نے ایک دم اپنی رائفل کا منہ نیچے کر دیا۔ اب وُہ غور سے ہماری طرف دیکھ رہا تھا۔

"کشتی کا رُخ کنارے کی طرف موڑ دو۔" خالد نے کہا۔ ساتھ ہی اس نے اگلی کشتی کو بھی کنارے کی طرف آنے کا اشارہ کیا۔ دونوں کشتیاں آہستہ آہستہ کنارے کی طرف بڑھنے لگیں۔

"مُیک: تم اکیلے جاؤ اور دیکھ کر آؤ وہ مُبانگو ہی ہے یا کوئی اور ہے۔ رائفل ساتھ لے جانے کی ضرورت نہیں۔" ناصر نے کنارے پر اُترتے ہوئے کہا۔

"نہیں ناصر۔" مَیں نے کہا۔ "اُسے اکیلا مت بھیجو۔ معلوم نہیں۔ یہ کون لوگ ہیں۔" مَیں نے کہا۔

"تم بھی کبھی کبھی بچّے بن جاتے ہو اصغر۔" ناصر نے کہا۔ ہم یہاں بیٹھ کر مکھیاں تو نہیں ماریں گے۔ اگر اُن لوگوں نے کسی قسم کی شرارت کی تو ہماری رائفلیں انہیں بھُون کر رکھ دیں گی۔ ویسے تم اس کے ساتھ جانا چاہو تو چلے جاؤ۔"

میں نے یہ تجویز مان لی۔ ہم دونوں نے رائفلیں وہیں رکھ دیں اور خالی ہاتھ ان لوگوں کی طرف بڑھے۔ کچھ ہی دُور گئے ہوں گے کہ مَیں نے اوکنڈا کو پہچان لیا۔ وہ حیران سی کھڑی ہماری طرف دیکھ رہی تھی۔ ہم چند قدم اور آگے بڑھے تو اُس نے بھی ہمیں پہچان

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لیا۔ اور پھر تو اس کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا۔ وُہ بھاگتی ہوئی ہمارے پاس آئی اور ہمیں سردار مُبانگو کے پاس لے گئی جو کشتی میں بیٹھا چھپٹی چھپٹی نگاہوں سے یہ سارا ڈراما دیکھ رہا تھا۔ اُس نے ہمیں دیکھ کر خوشی کا ایک زبردست نعرہ لگایا اور ہمیں سینے سے لگا کر خوب ہماری ناک سے ناک رگڑ دی۔

کشتی میں ایک عورت بھی بیٹھی تھی۔ بے حد اُداس اور غمگین۔ اس کا سر جھکا ہُوا تھا۔ اور وُہ دنیا جہان سے بے پروا اپنے خیالات میں ڈوبی ہُوئی تھی۔ یہ سردار مُبانگو کی بیوی نجامی تھی۔ مَیں سردار کا ہاتھ چھوڑ کر ایک دم واپس مُڑا اور اپنے ساتھیوں کی طرف دوڑا۔ آپس میں ہمیں ملتے جُلتے دیکھ کر اُن کی تسلّی ہو گئی تھی۔ اور اب وُہ ہماری طرف آرہے تھے۔ نجامی کا لڑکا اُن کے پیچھے پیچھے تھا۔ مَیں دوڑتا ہُوا اس کی طرف بڑھا اور جلدی سے اُسے گود میں اٹھا کر ایک لفظ کہے بغیر واپس مُبانگو کی طرف دوڑا۔

نجامی اسی طرح پریشان بیٹھی تھی کہ مَیں نے لڑکے

کو اُس کے سامنے کھڑا کر دیا۔

دُنیا میں ایسا نظارہ آج تک مَیں نے نہیں دیکھا۔ جُوں ہی نجامی کی نظر اپنے بیٹے پر پڑی۔ اُس کے مُرجھائے ہُوئے چہرے پر خوشی، حیرت، محبّت اور ممتا کے ملے جُلے رنگ پھیل گئے۔ وُہ ایک لمحے لڑکے کی طرف ٹکٹکی باندھے دیکھتی رہی۔ اور پھر دوڑ کر اُسے اپنے سینے سے چمٹا لیا۔ ماں بیٹے کی ہلکی ہلکی سسکیوں کی آواز آرہی تھی۔

بچھڑے ہُوئے مل گئے تھے۔ میکرارُو نے اپنی منگیتر کو اور نجامی نے اپنے بیٹے کو پا لیا تھا۔ ان کے خوشی سے دمکتے ہُوئے چہروں کو دیکھ کر یوں لگتا تھا۔ جیسے ہمیں اپنی محنت کا صلہ مل گیا ہو۔

اس کے بعد یہ سوال سامنے آیا کہ اب کیا کیا جائے؟ مُبانگو اور اس کے ساتھی سیدھے گھر جانا چاہتے تھے۔ میکرارُو کا بھی یہی ارادہ تھا۔ اُس نے زبان سے تو نہیں کہا لیکن اس کے چہرے سے یہی معلوم ہوتا تھا۔ ہم بھی اب مُصیبتیں اٹھا اٹھا کر تنگ آچکے تھے۔

اس لیے صلاح یہی ٹھہری کہ ان لوگوں کو رُخصت

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کرکے واپس گھر چلیں۔ ہم نے میکراڈو کو نقد روپے دینے کے علاوہ ایک گھڑی اور ایک پستول بھی دیا۔ جنہیں پا کر وہ خوشی سے ناچنے لگا۔ اس کے بعد ہم نے ہاتھ ملائے اور رخصت ہو گئے۔

کوئی ایک ہفتے کے جان جوکھوں کے سفر کے بعد ہم بندرگاہ پر پہنچے اور وہاں سے کیپ ٹاؤن واپس آئے۔ اور اپنے کام کاج میں لگ گئے۔ دو ڈھائی سال کے بعد ہمیں خبر ملی کہ میکراڈو نے گاؤں پہنچتے ہی اوکنڈا سے شادی کر لی تھی۔ اور اب ان کے ہاں ایک لڑکا ہوا ہے۔ وہ ہم سے ملنے کے بہت مشتاق ہیں۔ اور کیپ ٹاؤن آنے کا پروگرام بنا رہے ہیں۔ لیکن اسی عرصے میں ہم تینوں دوست جنوبی افریقہ کو خیر باد کہہ کر پاکستان آ گئے۔ کیونکہ اب ہم نے بہت سا روپیہ کما لیا تھا اور باقی زندگی اپنے وطن میں گزارنا چاہتے تھے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دِل چسپ کہانیاں

ہنس مکھ شہزادہ

نہایت دِل چسپ اور سبق آموز کہانیاں۔ زبان بہت آسان اور سلیس۔ جگہ جگہ تصویریں۔ 2.50

حافظ جی

سعید لخت، کی ہنسا ہنسا کر لوٹ پوٹ کر دینے والی ۱۴ کہانیاں۔ رنگین کارٹون اور تصویریں۔ 1.50

جان جوکھوں کی کہانیاں

جبّار توقیر کی دِل چسپ اور ہمّت و جُرأت کے کارناموں سے بھرپُور کہانیاں۔ خُوب صُورت تصویروں کے ساتھ۔ 1.75

شکار کی کہانیاں

افریقہ کے خوفناک درندوں کے شکار کے رونگٹے کھڑے کر دینے والے واقعات۔ مقبُول جہانگیر کے قلم سے۔ 1.50

ہنسی کی کہانیاں

حسن عابدی، سعید لخت اور دُوسرے ادیبوں کی مزاحیہ کہانیاں۔ ہنستے ہنستے پیٹ میں بل پڑ پڑ جائیں گے۔ 1.50

بڑا آدمی

احمد ندیم قاسمی اور میرزا ادیب جیسے نامی ادیبوں کی دِل چسپ کہانیاں۔ بڑا سائز۔ دِل کش تصویریں۔ 1.50

پانچ موتی

موتیوں کی طرح چمکتی دمکتی دِل چسپ اور مزیدار کہانیوں کا مجموعہ۔ خوب صُورت لکھائی چھپائی۔ جگہ جگہ تصویریں۔ 1.25

انوکھی کہانیاں

مشہور ادیب سیّد قاسم محمود کی لکھی ہوئی دِل چسپ اور حیرت انگیز کہانیاں۔ تصویروں کے ساتھ 1.50

وہ کون تھا؟

اس کتاب میں بچّوں کے مشہور ادیبوں کی دس بہترین کہانیاں شامل ہیں۔ جگہ جگہ تصویریں۔ 1.75